قال اللہ تعالیٰ

وذکّر فانّ الذکریٰ تنفع المومنین

حسب ارشاد این منطوق واجب الوثوق وعظ متعلقہ آیۂ کریمہ آخر سورہ توبہ انّ اللہ اشتری من المومنین الخ کہ حاصلش بلفظ دیگر مدلول اشعار ذیل مثنوی است

مسمّٰی بہ

تجارت آخرت یا بلاغ الجنۃ

وازبیان جامع شریعت و طریقت حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرفعلی صاحب مدفیوضہم کہ در جلسۂ رسمہ مظاہر العلوم بوقوع آمدہ ماخوذشدہ باہتمام مولانا مولوی محمد یحییٰ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

قیمت فی جلد معمولی کاغذ ... دبیز کاغذ ۲

بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ میں باہتمام منشی کرم بخش پرنٹر طبع ہوا

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حمداً و صلوٰۃً دائمین متلازمین - اما بعد جامع شریعت و طریقت واقف اسرار خفی و جلی حکیم الامۃ حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت فیوضہم نے جو جلسہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور منعقدہ تاریخ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ ہجری جامع مسجد میں حسب معمول وعظ بیان فرمایا تھا چونکہ اس میں بہت سے لطائف علمیہ و عملیہ بیحد مفید تھے بندہ ناچیز محمد یحییٰ عفی عنہ تاجر کتب دینیہ و مہتمم مدرسہ ہذا نے یہ چاہا کہ اس کو طبع کرا کر شایع کردیا جاوے اور مسلمان اس پر عمل کرکے دینی انتفاع حاصل کرلیں اور غائبین کو من وجہ شرکت جلسہ کا لطف آجاوے۔ بنائً علیہ اس وعظ کو جس کو مولوی سعید احمد صاحب نے اس وقت مجملاً پھر مفصلاً قلمبند کیا تھا بعد نظر ثانی حضرت مولینا ممدوح دامت برکاتہم کے طبع کرا کر شایع کیا جاتا ہے اول فہرست مضامین کی ملاحظہ فرمالیں پھر وعظ کا مطالعہ کریں۔

والسلام ۷۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ ہجری۔

فہرست مضامین

وعظ ملقب بہ تجارت آخرت یا اشاعۃ الجنۃ یا سلعۃ اللہ

این	متی	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد تخمینی	متفرقات
مسجد جامع سہارنپور	۲۷۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ	۲ گھنٹہ ۲۲ منٹ	کھڑے ہوکر	عبادات بدنیہ و مالیہ کا جمع کرنا	مولوی سعید احمد صاحب	تقریباً ۲۰۰۰	طلبہ ور قدیم وضع کے لوگ زیادہ تھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من
شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا
ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا
محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فقد
قال اللہ تعالی ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ۔

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں خداوند تعالی نے مجملاً ان تمام وظائف ضروریہ کو جو بندے کے ذمہ ضروری ہیں بہت مختصر لفظوں میں ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں میں منجملہ بہت سی کوتاہیوں کے ایک کوتاہی وہ بھی ہے جس کی اصلاح کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگوں میں بہت سی کوتاہیاں ہیں بہت سی باتوں میں اہل اسلام مرکز اسلام سے ہٹے ہوئے اور اپنی مخترعہ من گھڑتیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور اہل اسلام کی تخصیص قید احترازی نہیں یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ کوتاہیاں صرف اہل اسلام ہی میں ہیں دوسری قوموں میں نہیں جیسا کہ بعض اہل مذاق جدید کا یہ خیال ہے اسی لئے وہ جس وقت اہل اسلام کی مذمت بیان کرتے ہیں تو دوسری قوموں کی مدح کرتے ہیں کہ فلاں قوم میں فلانی صفت نہایت اچھی ہے کہ مسلمانوں میں نہیں اور اس میں بھی بعض تو وہ مدائح ہیں کہ وہ فی نفسہ مدح کے قابل ہیں نیز ان کے ذکر کرنے سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہوتی ہے کہ جن لوگوں سے دین کا تعلق بھی نہیں ان میں تو یہ مدائح موجود ہیں اور جن لوگوں میں بوجہ دین کے ہونا چاہیئے وہ بالکل معرا ہیں اس کا تو مضائقہ نہیں۔ قابل افسوس تو یہ امر ہے کہ یا تو غیر قوموں کی وہ صفات بیان کی جاتی ہیں کہ جو واقع میں قابل مدح ہی نہیں ہیں یا اگر قابل مدح ہیں تو ان سے مقصود صرف مسلمانوں پر طعن اور ان کا دل توڑنا اور عیب کھولنا ہوتا ہے۔ یہ امر مسلمان کے لئے سخت محل شکایت ہے اور اگر واقعات کا مشاہدہ کیا جاوے تو اس کا ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ واقعی اکثر اہل اسلام کا یہ شیوہ ہو گیا ہے ہر عاقل آدمی کو قرائن سے ان کے لب ولہجہ سے اس مذمت سے جو کہ ایسے

لوگون کو مسلمانون سے ہے۔ ان سب کے مجموعہ سے اِس کا اخذ کر لینا بعید نہیں کہ اِن
لوگون کا مقصود محض اہانت ہوتی ہے مسلمانون کی۔ پھر لطف یہ کہ جن مدائح کی مسلمانون
سے نفی کی جاتی ہے وہ واقع میں مدائح بھی نہیں یعنی شریعتِ مطہرہ کے نزدیک مطلوب
نہیں ہیں۔ اگرچہ دنیا میں کسی درجہ میں مطلوب ہون لیکن مسلمان من حیث المسلمان کے
منہ سے اُن مدائح کا نکلنا بالکل ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص ہاتھی کی یہ تعریف کرنے لگے کہ
وہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اگر اُس کو وزن کیا جاوے تو پچاس من کا اُترے کہ یہ صفت اگرچہ
واقعی صفت ہے لیکن اس کو تہذیب نفس اور قابل مدح ہونے میں کچھ دخل نہیں بس
اِسی قسم کے وہ مدائح ہیں کہ جن کو آج کل مدائح سمجھا جاتا ہے کہ اگرچہ اُن میں کسی درجہ
میں منفعت ضرور ہے جیسے ہاتھی کے اِس قدر وزنی ہونے میں کیونکہ حکیم مطلق نے ہاتھی کو
اتنا بڑا جثہ بلا وجہ نہیں عطا فرمایا لیکن حکیم مطلق نے اِس کو کمال قابل مدح نہیں ٹھیرایا
چنانچہ انہی مخترعہ مدائح میں ایک مدح ترقی کرنا بھی ہے کہ اس کو نہایت بڑی مدح سمجھا
جاتا ہے علیٰ ہذا خود داری وغیرہ سو غور کرکے دیکھئے کہ شریعت نے اُن کو مدح کے
قابل سمجھا ہے یا نہیں ترقی نہایت خوبصورت لفظ ہے لیکن اِس وقت اس کا ماحصل
محض طول امل و حرص ہے جس کی شریعتِ مطہرہ نے جڑ کاٹ دی ہے۔ صحابہ
کرام جو کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے شیدائی تھے اُنہون نے
اُس کو اپنے خیال میں کبھی جگہ نہیں دی جناب رسول مقبولؐ نے کبھی اسکی تعلیم نہیں فرمائی حضور
کی سیرت جسکا ایک ایک واقعہ احادیث میں مدون ہے اسکو دیکھ جائیے ابتدا سے انتہا تک کہیں بھی آپکو یہ تعلیم
نہ ملیگی رہے تاریخی واقعات سو اُن کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ احادیث سے مطابق ہون تو قابل
اخذ ہیں ورنہ ہیچ محض کیونکہ مورخین میں یہ بڑا مرض ہے کہ وہ واقعات میں اپنی رائے کو
دخل دیتے ہیں۔ پھر اُس رائے کو بصورت واقعہ بیان کرتے ہیں۔ زمانہ حال کے بعض خود رو
مصنفین پر افسوس ہے کہ وہ محدثین پر اعتراض کرتے ہیں کہ اُنہون نے واقعات میں
اپنی رائے کو شامل کیا ہے لیکن جو شخص محدثین کے حالات سے واقف ہے وہ خوب
جانتا ہے کہ محدثین علیہم الرحمۃ نے کس تدین سے کام لیا ہے البتہ یہ اعتراض مطابق

واقع کے مؤرخین پر ضرور ہو سکتا ہے مصاحب محدثین کا تدین اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اگر ایک باب کی حدیث سے ایک بات کو ثابت کرتے ہیں۔ تو اُس کے بعد ہی دوسرا باب اُس کا معارض صوری بیان کرتے ہیں اور اُس میں بھی حدیث پیش کر دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کا مقصود محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا جمع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے کو ثابت کرنا یا اُس پر زور دینا کیونکہ جب ایک حدیث کیساتھ دوسری حدیث جو اُس پہلی سے صورۃً معارض ہے موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس محدث کی رائے کسی ایک جانب ہو گی تو بصورت ایراد معارض کوئی خاص رائے کیونکر مقصود ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُنکو اپنی اغراض کی تائید مقصود نہیں ہے بلکہ اُن کا مقصود تمام احادیث کا لوگوں کے سامنے پیش کر دینا ہے کہ دیکھیں اور خوب سمجھ لیں۔ ہاں تاریخ میں اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں کہ ایک مؤرخ نے اپنے خیال کے مؤید واقعات کو لیا اور دوسرے نے اپنے خیال کے مؤیدات کو پس جب حدیث و تاریخ میں یہ تفاوت ہے تو حدیث قابل وثوق ہوئی اور اُس کے مقابل تاریخ قابل وثوق نہ ہوئی تو جو واقعات تاریخ میں حدیث کے خلاف ہوں گے اور حدیث اُنکو باطل کرتی ہو گی وہ محض ہیچ ہیں ہرگز قابلِ قبول نہیں غرض حدیث کو دیکھئے تو اُس سے معلوم ہوگا کہ آپ کا طرز زندگی کیا تھا اور وہی طرز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ تو صحابہ کے یہاں طولِ حرص اور طولِ امل کا نشان بھی نہیں تھا اُن کی ترقی ترقی دینی تھی اگرچہ اُس کے تابع ہو کر اُن حضرات کو دنیا کی بھی وہ ترقی حاصل ہوئی کہ آج لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں لیکن مطمح نظر صرف ترقی دین تھی۔ چنانچہ ان حضرات کی اسی شان کو خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلَّذِینَ اِن مَّکَّنّٰھُم فِی الاَرضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوا بِالمَعرُوفِ وَنَھَوا عَنِ المُنکَرِ۔ کہ اگر ہم اُن کو زمین پر قبضہ دیدیں تو یہ لوگ اُس وقت بھی نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اچھی باتوں کی ترغیب دیں بُری باتوں سے روکیں یہ ہے اُن کے خیالات کا نقشہ جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اب ان کو یاد رکھئے اور پھر ان کے ساتھ اپنے خیالات کو دیکھئے

اور انطباق کیجیے واللہ ایسا دشوار انطباق ہے جیسے خط مستقیم پر خط منحنی کو منطبق کرنے لگیں کہ جب تک اُس میں استقامت اور استغنا باقی رہیگا کبھی انطباق ممکن ہی نہیں تو ہمارے خیالات خط منحنی کی طرح ہیں اور اُن حضرات کے خیالات کی مثال خط مستقیم ہے۔ بحمد اللہ یہ مثال ایک خاص اعتبار سے بھی بہت ہی اچھی خیال میں آئی کیونکہ خط منحنی کے انطباق علی المستقیم کی شان یہ ہوتی ہے کہ اُس کے بعض اجزا تو خط مستقیم پر سے گذرے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض اجزا اُس سے ہٹے ہوئے یہی حالت ان خیالات مخترعہ کی ہے کہ ان میں اگر ایک قدم شریعت پر ہے تو دوسرا اُس سے بالکل الگ جس کا کسی تاویل سے بھی جادہ شریعت پر انطباق نہیں ہو سکتا۔ پس ایسے حالات وخیالات کس طرح قابل مدح ہو سکتے ہیں۔ غرض جن مدائح کی آجکل لوگ علی العموم مسلمانوں سے نفی کرتے ہیں وہ مدائح واقع میں اس سلک میں داخل ہونیکی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ اور اگر بعض باتیں واقع میں قابل مدح ہوں بھی جیسے ہمدردی وایثار وغیرہ۔ تب بھی ان کے نفی کرنے سے مقصود محض مسلمانوں کی تذلیل ہوتی ہے دلسوزی یا ہمدردی ہرگز مقصود نہیں ہوتی کیونکہ اگر ہمدردی ہوتی تو دوسری باتوں میں بھی تو ان کیساتھ ہمدردی ہوتی حالانکہ میں اس وقت انہی طاعنین میں بہت سے ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کو بھی گوارا نہیں کرتے مسلمانوں کا سلام لینا بھی اُن کو پسند نہیں اور جب یہ حالت ہے تو کسطرح بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کو مسلمانوں کے ہمدردی ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اُس کو مان بھی لیا جاوے تب بھی اس خاص سبب سے جو مذکور ہوا ہرگز ممکن نہیں کہ اُن کی ذات سے عام مسلمانوں کو کسی قسم کی بہبودی یا نفع پہنچ سکے۔ بدیہی بات ہے کہ طبیب اُس وقت مریض کو نفع پہنچا سکتا ہے کہ جب مریض کے پاس آوے نبض دیکھے قارورہ دیکھے تسلی ودلجوئی کرے اور اگر ایسا نکرے بلکہ دور ہی سے محض صورت دیکھکر اُلٹا سیدھا نسخہ تجویز کردے تو کوئی عقلمند باور نکریگا کہ یہ طبیب اس مریض کو اُس کے مرض سے نجات پانے کا سبب بن سکتا ہے اور وہ مریض اُس کے علاج سے تندرست ہو سکتا ہے۔ دیکھئے پچھلے طاعون کے زمانہ میں

ہمدردانِ قوم کو ہدایت کہ اپنی اصلاح کریں

جو طبیب مریضوں سے دور رہتے ہیں اُن کی ذات سے کیا کسی مریض کو فائدہ پہونچتا ہے
کسی ایک کو بھی نہیں۔ ہاں اُس طبیب سے ضرور فائدہ پہنچتا ہے جو مریض کے مرض کو اپنا
مرض سمجھکر اُس کے ساتھ بالکل گھل ملجاوے۔ مجھ سے ایک طبیب نے بیان کیا کہ ایک زمانہ
میں جب اُن کے قصبہ میں مرض طاعون پھیلا تو ۶۳ مریض اُن کے زیر علاج رہے
جن میں سے ۵۳ تندرست ہوگئے اور دس مریض انتقال کر گئے۔ کہتے تھے کہ ان ۶۳ میں
ایک مریض ایسا بھی تھا کہ جب اُس کی نبض کو میں نے دیکھا ہے تو شدتِ حرارت کی
وجہ سے میری اُنگلی پر چھالا پڑگیا لیکن پھر بھی اُس کی تدابیر میں مصروف رہے۔
غرض جو طبیب مریض سے نفرت کریگا وہ مریض کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ آج دیکھ
لیجئے کہ ان مدعیان طبابت اخلاق کا کیا برتاؤ قوم اور اُس کے ساتھ ہے۔ بلکہ میں کہتا
ہوں کہ اپنے ساتھ بھی ان کو ہمدردی نہیں اور اپنے امراض کے علاج پر بھی توجہ نہیں
اور یہی سبب ہے قوم سے ہمدردی نہ کرنے کا کیونکہ طبعاً اپنا خیر خواہ انسان زیادہ
ہوتا ہے بلکہ دوسروں کی جو خیر خواہی کرتا ہے اُس میں اپنی خیر خواہی مضمر ہوتی ہے
پس جو شخص اپنا ہمدرد نہ ہوگا وہ دوسروں کا کیسے ہمدرد ہوگا۔ یہ لوگ اوّل اپنی تو
اصلاح کریں پھر دوسروں کی اصلاح حقیقی کی فکر کریں۔ آج یہ حالت ہے کہ اظہار
ہمدردیٔ اسلام میں بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں انجمنیں قائم ہوتی ہیں مگر نہ نماز کی
فکر ہے نہ روزہ کا خیال ہے مال کی اتنی افراط ہے کہ دس آدمیوں کو اور بھی
ساتھ لے جاسکیں۔ لیکن محبت اسلام کا یہ عالم ہے کہ خود بھی حج کرنے کی توفیق نہیں
ہوتی۔ وضع کو دیکھئے تو سر سے پاؤں تک اسلام کے بالکل خلاف۔ گفتگو کو دیکھئے۔ وہ تمام
سے بالکل جدا۔ تو جب اُن کو اپنے امراض کے ازالہ کی فکر نہیں تو پھر دوسروں کے
امراض کے ساتھ اُن کو کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر زمانہ کی ایک رسم
ہوتی ہے کہ اہل زمانہ اُسی پر چلنے لگتے ہیں۔ آج کل یہ رسم ہے کہ ہر مشہور یا غیر مشہور
تحصیل شہرت یا تکمیل شہرت کی کوشش کرتا ہے اور اُس کے ذرائع بہم پہنچاتا ہے
منجملہ اُن ذرائع کے ایک یہ بھی ہے کہ انجمنیں قائم کی جائیں اور جلسے کئے جائیں

ہمدردان قوم کی انجمنین خلاف شریعت ہونیکی وجہ سے غیر مفید ہیں

کوئی اُن انجمنون کا گورنر ہو جاوے کوئی سکرٹری کوئی کچھ کوئی کچھ اور اُس سے عام و خاص میں اُن کو ایک امتیاز ہو جاوے۔ پھر رسم بھی اگر شریعت پر منطبق ہوتی تو بھی نفع سے خالی نہ ہوتی کیونکہ وہ اس انطباق کی برکت سے ایک دن مبدل بہ حقیقت ہو سکتی تھی اور جب ظاہری انطباق علی الشریعۃ بھی نہ ہو تو سراسر مضر اور سم قاتل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکماء اُمت نے عوام الناس سے صرف اسی قدر کو کافی سمجھا ہے کہ وہ اپنی صورت ظاہری شریعت کے موافق بنالیں اور صورت عبادت کے پابند ہو جاویں کیونکہ وہ حضرات جانتے ہیں کہ یہ صورت ہی انشاء اللہ ایک دن مبدل بحقیقت ہو جاویگی چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عبادت میں ریا بھی ہو تو اُس کو کئے جاؤ کیونکہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتا چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عادت سے عبادت ہو جاتی ہے پھر وہ ذریعۂ قرب بن جاتی ہے اُس کو مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎ از صفت واز نام چہ زاید خیال ٭ وان خیالت ہست دلّال وصال ٭ یعنی اسم سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ خیال ہی رہبر ہو جاتا ہے وصال کیطرف مگر یہ اُسی وقت ہے جبکہ صورتِ شریعت پر منطبق ہو ورنہ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اصلاح کی کوئی سبیل نہیں۔ اس لئے میں کہتا ہون کہ اگر رسم ہوتی اور منطبق ہوتی تو اُس کے مبدل بحقیقت ہو جانے کی اُمید تھی مگر انطباق ہوتا کیونکر اسلیئے کہ انطباق کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ شریعت کی وقعت دل میں ہو اور یہان وہی ندارد ہے۔ آج کل کے عقلاء شریعت مطہرہ کو مولویون کے خیالات کا مجموعہ سمجھتے ہیں اور اُن پر اعتراض کرتے ہیں لیکن ہم کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو ان لوگون نے اعتراض سے بچالیا اگرچہ واقع میں اثر اس قول کا آپ ہی پر ہوگا لیکن تاہم مورد عتاب تو صرف مولویون کو بنایا۔ ہم اس کے بھی شکر گذار ہیں مگر اُن معترضین کو یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ درحقیقت اُن کے اعتراضات کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر پڑتا ہے کیونکہ ضرب الغلام اہانۃ المولیٰ اگر کوئی شخص کسی کے غلام کو مارے اگرچہ اُس نے بظاہر آقا کو کچھ نہیں کہا مگر واقع میں یہ آقا کی بھی اہانت

علماء پر اعتراض درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے

ہو گئی کیونکہ آقا اور غلام میں اس قدر تغائر نہیں ہے جس قدر یہ شخص سمجھ رہا ہے بلکہ ان
میں ایسا تغائر ہے جیسا کہ احول کے مرئیات میں ہوتا ہے مشہور ہے کہ کسی اُستاد نے
اپنے شاگرد کو کہا کہ فلان طاق میں ایک بوتل رکھی ہے وہ اُٹھا کر لے آؤ۔ شاگرد چونکہ
احول تھا وہان جو پہنچا تو ایک بوتل کی دو نظر آئیں اُستاد سے کہنے لگا کہ یہاں دو بوتلیں
رکھی ہیں اُن میں سے کونسی لاؤن اُستاد نے کہا کہ دو نہیں بلکہ ایک ہی ہے کہنے
لگا کہ میں خود مشاہدہ کر رہا ہون آپ میرے اس مشاہدہ کی تکذیب کرتے ہیں اسپر
اُستاد نے غضبناک ہو کر کہا کہ ایک بوتل توڑ دو اور دوسری میرے پاس لے آؤ
شاگرد نے ایک بوتل کو توڑا تو وہ دونوں ٹوٹ گئیں کہنے لگا کہ اب تو یہاں ایک بھی
نہیں رہی۔ مولانا نے اس قصہ کو کلام مجید کی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے لا نفرق
بین احد من رسلہ تو ایک کی تکذیب کرنے سے سب رسولون کی تکذیب ہوتی
ہے اور اس سے خدا تعالیٰ کی تکذیب بھی ہو جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ نائب کی تکذیب
غیب کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا علماء کی تکذیب سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی تکذیب ہو گی اور اُس سے خدا تعالیٰ کی تکذیب ہو گی مگر لوگ اس پر بالکل نظر
نہیں کرتے بلکہ بیدھڑک علماء پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آج کل کے
جلسے اور انجمنیں بالکل رسم بلا معنی ہیں اور صورت بھی ٹھیک نہیں اور لوگون نے
اُن کو محض رسم سمجھکر اختیار کیا ہے۔ نفع پہنچانا ہرگز مقصود نہیں ہے جیسا کہ میں نے
بیان کیا کہ یہ جب اپنا ہی دین برباد کر رہے ہیں تو دوسرون کو دینی نفع پہنچانے کا
کب قصد کر سکتے ہیں۔ اور اگر کہیئے کہ یہ ایثار ہے کہ اپنے دین سے دوسرون کے دین کو
مقدم کر رکھا ہے اس لئے باوجود اپنے دین کے قایم کرنے کے دوسرون کے دین کی
درستی کرتے ہیں تو سمجھو کہ ایثار کی اجازت دنیاوی منافع میں ہے دینی منافع میں
نہیں یعنی اگر ہمارا کوئی دنیاوی نفع فوت ہو کر دوسرے کا نفع ہو جاوے تو اُس کو
ایثار کہیں گے اور اگر ہمارا دین تباہ ہو کر دوسرون کو نفع پہنچے تو یہ ایثار نہیں کہلائیگا
ورنہ اگر دین کو تباہ کر کے بھی ایثار ہوتا تو باغی سب سے زیادہ صاحب ایثار ہونے چاہئیں

اور اُن کو سب سے زیادہ خیر خواہ سرکار کہنا چاہیئے کیونکہ اُن میں اتنی بڑی ہمدردی وایثار ہے کہ اُنہوں نے اپنی جان بھی دیدی اور تمام منافع جو اطاعت سے اُن کو پہنچے وہ دوسری رعایا کے لئے چھوڑ دیئے صاحبو! یہ وہی ایثار ہے جو فرعون میں تھا دین چھوڑ کر دُنیا پر قناعت کی اسکی ایک حکایت ہے کہ مصر کی زراعت کا مدار رودِ نیل کے جوش پر تھا۔ ایک سال اُس کو جوش نہیں ہوا لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ تو مدعی الوہیت ہے ہم لوگ قحط میں مرے جاتے ہیں یہ تیری الوہیت کب کام آویگی اُس نے کہا کہ کل رودِ نیل کو جوش ہوگا۔ رات کو دعا کی کہ اے اللہ اگرچہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ میری کوئی معروض قبول ہو لیکن میری ہمت تو دیکھیئے کہ میں نے آپکو چھوڑا جنت کو چھوڑا۔ ابدالآباد کے عذاب کو گوارا کیا۔ ان سب کے بدلے صرف ایک التجا کرتا ہوں کہ میری یہ دُعا قبول فرمالیجئے کہ جب میں رودِ نیل کو حکم دوں تو اُسکو جوش ہو جاوے چنانچہ اُس کی یہ دعا قبول ہو گئی اور ایسا ہی ہوا۔ اور اس دعا کی قبولیت سے کوئی اپنے دل میں شبہ نہ کرے کہ اُس کافر ملعون کی دُعا کیونکر قبول ہو گئی۔ بات یہ ہے خداوند تعالیٰ سب کی سنتے ہیں حتیٰ کہ شیطان جو کہ سب سے زیادہ ملعون ہے اُسکی درخواست بھی قبول ہو گئی اور پھر درخواست بھی خاص عتاب کے وقت کی کہ علی العموم اُس وقت کی درخواست پوری نہیں ہوتی اور درخواست بھی ایسی عجیب جو کسی نے آج تک نہ کی تھی اور نہ وہ ظاہر منظوری کے قابل تھی کہ انظرنی الیٰ یوم یبعثون گویا خداوند تعالیٰ کی طرف سے تو یہ عتاب کہ ان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین اور شیطان کی طرف سے یہ درخواست کہ رب انظرنی الیٰ یوم یبعثون تو جب اُس کے ایسی عجیب درخواست ایسے عجیب وقت میں قبول ہو گئی تو فرعون کی درخواست قبول ہونے میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے شیطان کے اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں اول تو اُس کی بے حیائی کہ جوتیاں سر پر پڑ رہی ہیں اور اُس کو درخواست کرنی سوجھ رہی ہے دوسرا اُس کا وثوق کہ باوجود اس حالت کے بھی اُس کو پورا یقین تھا کہ ضرور درخواست قبول ہو گی تیسرے خداتعالیٰ کا فضل وکرم کہ درخواست کیساتھ ہی اِنَّکَ

حن المنظرین- ارشاد ہوا- اور جب دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو دوستون کو کب محروم کیا جا
سکتا ہے۔ دوستان را کجا کنی محروم ٭ تو کہ با دشمنان نظر داری ٭ یہ قصہ مسلمانون کے
لئے بڑی خوشی کا ہے کہ جب اُس بارگاہ میں دشمن کی دعا قبول ہوئی تو ہماری دعا کیون
قبول نہوگی مگر یہ ضرور ہے کہ شیطان کی برابر ذلیل ہوجاویں- غرض جیسے فرعون کی ہمت تھی
ویسی ہی آجکل کے ایثار والون کی ہمت بھی ہے۔ اور اگر فرعون کی وہ ہمت ہمت کہنے کے قابل
نہیں تو ہمارا یہ ایثار بھی ایثار نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ جو اپنا خیرخواہ نہیں وہ دوسرون کا
بھی خیرخواہ نہیں ہے تو ہم جو کچھ کر رہے ہیں محض رسم کے لئے کر رہے ہیں- یہ ہیں وہ صفات
جنکو ملایح قرار دیا جاتا ہے اِن کا مسلمانون سے نفی کرنا اور دوسری قومون میں ملایح کے
شمار میں ثابت کرنا کہان تک قابل قدر ہوسکتا ہے- ہم لوگون کی زبان پر وہ الفاظ ہیں جو کہ
جسد بلا روح ہیں کہ رات دن اُن کو دُہرایا جاتا ہے جس سے معلوم ہو کہ ان کی برابر کوئی دلسوز
ہی نہیں لیکن جیسے حدیث مین آیا ہے لا یجاوز حناجرہم قلب پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا
اور جب خود متکلم کے قلب پر اثر نہیں تو سامعین کے قلب پر کیا خاک اثر ہو سکتا ہے- غرض
مسلمانون کی کوتاہیون کا بیان جو اس اندازِ تحقیر پر ہو وہ بیشک مذموم ہو- اس سے تو
احتراز واجب ہے لیکن اگر براہِ شفقت ہو تو ضروری ہے اور اسی شفقت کی راہ سے خاص
مسلمانون کی شکایت ان کوتاہیون کے متعلق بھی مضائقہ نہیں بس یہ تخصیص کیساتھ یہ
کہنا کہ مسلمانون میں کوتاہیان ہیں بطور قید احترازی کے نہیں بلکہ تخصیص کی نظر سے ہے
کہ ہمارا خطاب اسوقت خاص مسلمانون سے ہے- اور اس موقعہ پر انہیں ہی کی اصلاح مہتم
بالشان ہے- اس مضمون کو اس قدر تفصیل سے بیان کرنے کا قصد نہ تھا اتفاقاً اس میں تفصیل
ہوگئی جو انشاءاللہ مفید ہوگی- اب اُس کوتاہی کو جو یہان مقصود بالذکر ہے- عرض کرتا ہون
وہ یہ ہے کہ منجملہ اُن موجودہ کوتاہیون کے ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ ہم لوگون نے دین کے
اجزا کو متفرق کردیا یعنی دین میں انتخاب کرلیا ہے- جیسے کوئی چیز تقسیم ہوا کرتی ہے مثلاً
انعام کہ گھڑی رومال وغیرہ میں سے ایک نے گھڑی لے لی دوسرے نے رومال تیسرے
نے کچھ اور چوتھے نے کچھ اور- اسیطرح یہ عمل ہمارے بھائیون نے اس وقت مذہب میں

عمل کیا ہے کہ ایک نے دین کے ایک جزو کو لے لیا۔ دوسرے نے دوسرے جزو کو اسکو قرآن میں فرمایا گیا ہے جعلوا القرآن عضین اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ اس تفریق کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ایک منجملہ انکے یہ ہے کہ کچھ حصہ پر ایمان لایا جاوے اور کچھ حصہ سے انکار کیا جاوے۔ مسلمان اس سے تو بری ہیں ایک یہ ہے کہ بعض کو چھوڑ دیا جاوے اُس کی بہت صورتیں ہیں ایک کو اس وقت بیان کیا جاتا ہے کہ بعض نے تو صرف اعمال بدنیہ کو دین سمجھا اور اعمالِ مالیہ کو دین سے خارج سمجھا اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ دیندار کہلاتے ہیں کہ اُنہوں نے دین کا مدار زیادہ تر اعمال بدنیہ کو سمجھا۔ بعض نے فقط اعمالِ مالیہ کو اختیار کر کے دوسرے اجزاء کو خیرباد کہدیا چنانچہ اس وقت دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ بعض رؤساء کہ اُن کو مشقت اُٹھانا دشوار ہے اُنہوں نے تو یہ تجویز کر لیا کہ چار روپیہ کسی رفاہ عام کے کام میں دیدو بس کافی ہے اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے زیادہ انفع ہے صاحبو! یہ بالکل وہی بات ہے کہ کلمۃ حق ارید بہ الباطل۔ کیا اعمال مالیہ پر کاربند ہو کر اعمال بدنیہ کی ضرورت نہ رہیگی۔ ان کا وجوب ساقط ہو جائیگا۔ ذرا قرآن کو دیکھئے کہ جہاں اٰتوالزکوٰۃ ہے وہیں اقیموا الصلوٰۃ بھی موجود ہے۔ قرآن میں تامل کرنے کے بعد کسی کو ذرا بھی گنجایش اس کی نہیں مل سکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اگر قرآن میں کسی کو یہ گنجایش نہیں ملتی تو یہ ۷۲ فرقہ کیونکر پیدا ہو گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب گنجایش قبل غور ہے جب تک غور نہ کیا جاوے اُس وقت تک قرآن کی حالت مردِ سخی کی سی ہے۔ کہ معتزلہ اُس سے اپنی توہمات کو ثابت کر رہے ہیں اور قدریہ اپنی توہمات کو مجسمہ اپنے دعوے پر دلیل پیش کرتے ہیں معطلہ اپنے دعوے پر لیکن غور کرنے کے بعد سوائے مذہبِ حق کے کسی ایک مذہب کی بھی گنجایش کلام مجید میں نہیں رہتی۔ ارشاد ہے افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً معلوم ہوا کہ یہ بات تدبر کے بعد نظر آتی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں تو جو کچھ اختلاف ہے وہ بوجہ غور نہ کرنے کے ہے اور تدبر بھی اُس شخص کا معتبر ہو گا جس کے پاس سامان تدبر بھی ہو۔ ہر کس و ناکس کا

تدبر معتبر نہیں آجکل کے عقلاء کا تدبر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ایک شخص نے گلستان کے اس شعر میں تدبر کیا تھا ؎ دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست * در پریشان حالی و درماندگی * کہ ایک مرتبہ ان کے ایک دوست کہیں پٹنے لگے اور خود بھی کچھ ہاتھ چلا رہے تھے اُنہوں نے وہاں جاکر اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی پہلے سے بھی زیادہ پٹائی ہوئی کسی نے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے شیخ سعدی کے اِس قول پر عمل کیا ہے ؎ دوست آن باشد الخ تو جیسا اِس نے گلستان کو سمجھا تھا ویسا ہی ہمارے بھائی بھی قرآن میں تدبر کرنے والے موجود ہیں خدا اُن کو سلامت رکھے مگر باطنی سلامتی کے سایہ کیساتھ۔ ایک صاحب پنجاب میں مجھ سے ملے کہنے لگے کہ تحقیقاتِ جدیدہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تخم میں ایک نر اور ایک مادہ ہوتا ہے میں کہتا ہوں خیر یہی ہو لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ قرآن میں بھی یہ مسئلہ موجود ہو مگر وہ کہنے لگے کہ میں نے سوچا کہ قرآن میں بھی کہیں اِس کا ذکر ہے یا نہیں۔ کئی مہینہ تک سوچتا رہا لیکن کہیں نہ ملا سبحان اللہ صاحبو قرآن میں اس مسئلہ کو ڈھونڈنا ایسا ہے۔ جیسے کوئی طب اکبر میں جوتے بنانے کی ترکیب ڈھونڈنے لگے کیوں صاحبو اگر کوئی ایسا کرنے لگے تو عقلاء وقت اُس کی نسبت کیا فتویٰ دیں گے۔ وہی فتویٰ اُس کی نسبت بھی دینا چاہیئے۔ غرض کہنے لگے کہ مدت کے بعد ایک روز اتفاق سے میری بیوی قرآن پڑھ رہی تھی جب اُس نے یہ آیت پڑھی سبحان الذی خلق الازواج کلها مما تنبت الارض تو میں بہت خوش ہوا کہ قرآن میں یہ مسئلہ صریح موجود ہے۔ تو وہ بزرگ ازواج کے معنی خاص میاں بیوی اور نر و مادہ سمجھے حالانکہ ازواج کے لغوی معنی جوڑے کے ہیں خواہ کسی چیز کا جوڑا ہو جیسے کہ زوجی الخف والنعل بھی کہتے ہیں۔ زوج کے معنی وہی ہیں۔ جسکو فارسی میں جفت اور اُردو میں جوڑا کہتے ہیں میاں بیوی کو بھی اسی لیئے کہتے ہیں کہ وہ بھی باہم جوڑا ہوتے ہیں یہ نہیں کہ ہر جگہ میاں بیوی ہی کے معنی ہوں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری جنت پاپوش اُٹھا لاؤ۔ یا یہ کہے کہ میرا جوتہ کا جوڑا اُٹھا لاؤ تو کیا اُس کے یہ معنی ہوں گے کہ میری جوتے کی میاں بیوی اُٹھا لاؤ۔ پس معنی آیت کے تو یہ ہیں کہ ہم نے نباتات میں بھی جوڑے پیدا

کئے کہ اگر ایک انار کھٹا ہے تو دوسرا میٹھا۔ علیٰ ہذا۔ لیکن اُن مجتہد صاحب نے ان ازواج کا ترجمہ زن و شوہر کیا۔ اور قرآن میں اپنے نزدیک اِس مسئلہ کو بھی داخل کردیا۔ تو اگر ایسے لوگ قرآن میں تدبر کریں تو قرآن کی جو گت ہوگی ظاہر ہے۔ اور اِس قسم کے تدبر کرنیوالے اس سے پہلے ہی لوگوں میں ہوتے آئے ہیں۔ میرے ایک اُستاد بیان کرتے تھے۔ کہ اُن کے پاس ایک درزی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اوّل یہ پڑھا آمنت باللہ وملٰئکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر والقدر خیرہ وشرہ والبعث بعد الموت۔ پھر ایک آہ سرد کھینچی۔ اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب! دونوں کی بھی موت ہے۔ یہ گت بعد الموت کی بنائی کہ عین کی جگہ الف پڑھکر اُس کی یوں تعلیل کی کہ بادل موت۔ بہت لوگوں نے قرآن کی تفسیریں لکھنی شروع کردیں لیکن وہ تفاسیر اسی قسم کی ہیں۔ وجہ یہ کہ اُن کے پاس سامان تدبر یعنی علم وتقویٰ نہیں ہے معلوم ہوا کہ تدبر بھی ضروری ہے جس کو اِس آیت میں فرمایا۔ افلا یتدبرون القرآن۔ اور پھر تدبر کے لئے سامانِ تدبر بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس آیت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن میں غور کرنے کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی اور جہاں بالکل صریح دلالت ہو وہاں تو تدبر کی بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ عباداتِ بدنیہ ومالیہ کی تفریق کی غلطی پر اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ صاف دال ہے کہ جہاں آتوا الزکوٰۃ کا حکم ہے۔ وہاں اقیموا الصلوٰۃ بھی ہے۔ یہ تو دُنیا دار اُمرا کی حالت کا بیان تھا۔ دُوسرے وہ لوگ ہیں جن پر دینداری کا بہت ہی غلبہ ہے اُنہوں نے اپنے مذاق کے موافق ایک اور مسلک اختیار کیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دینداری جو کچھ ہے وہ جان سے کام لینے میں ہے۔ اِن لوگوں نے طاعات مالیہ کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ میں اپنے ہی کو کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری سوانح عمری لکھنے لگے تو اس کا آسانی سے پتہ بھی نہ لگے گا کہ فلاں جگہ لٹا دیئے۔ اسیطرح ہم میں اکثر کی یہ حالت ہے غرض اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہم لوگوں نے دین کے اجزا کو تقسیم کر رکھا ہے کہ ایک جزو کو ایک نے اختیار کرلیا اور دوسرے کو دوسروں نے۔ یہ ایک کلی کوتاہی ہے پھر اس کے تحت میں اور بہت سی جزئیات داخل ہیں۔ یعنی پھر

خود عبادات بدنیہ میں بھی ایک تفریق کی ہے۔ مثلاً کسی نے وظیفہ کو لے لیا کسی نے صرف قرآن کو لے لیا۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں اپنے مرشد کی تعلیم پر اس شدت سے پابند ہوں کہ نماز چاہے قضا ہو جاوے۔ لیکن مرشد کی تعلیم کبھی قضا نہیں ہوتی۔ اسی طرح اموال میں بھی تفریق کی ہے چنانچہ بعض لوگ جب مرنے لگتے ہیں تو چونکہ کوئی اولاد نہیں ہوتی اس لئے وہ مسجد بنانا تجویز کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ نمازیوں کی تعداد سے مسجدوں کی تعداد زیادہ ہے۔ قصبہ آنولہ کی نسبت سُنا ہے کہ وہاں بے حد مسجدیں ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ باوجود اس کثرت کے اب بھی اگر کسی کو اس طرف توجہ ہوگی تو اپنی مسجد الگ ہی بنانے کی سوجھیگی۔ اور مزا یہ کہ نئی مسجد شروع کرکے پُرانی کے سامان لینے پر نگاہ دوڑتی ہے کیونکہ چندہ تو اس قدر ہو نہیں سکتا۔ کام ادھر میں رہجاتا ہے اور اُسوقت مولویوں سے اجازت لینے کی فکر کرتے ہیں کہ حضرت پُرانی مسجد بالکل ویران ہے آباد ہونے کی اُمید نہیں کیا اس کا ملبہ نئی مسجد میں خرچ کرلیں۔ میں نے اپنے قصبہ میں دیکھا ہے۔ کہ لوگوں نے ایک پرانی مسجد کو چھوڑکر دس پندرہ قدم کے فاصلہ پر ایک نئی مسجد بنائی اب چند روز سے لوگ اُس پرانی کی درستی پر بھی متوجہ ہوئے ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ یا ایک پھر ویران ہوگی یا دونوں کی جماعتیں ٹوٹیں گی۔ کانپور میں ایک شخص نے مسجد بنائی دوسرے برادری کے بھائی نے اُن کے مقابلہ پر ایک دوسری مسجد تیار کی۔ جب دونوں بنکر تیار ہوئیں تو نمازیوں کی فکر ہوئی آخر یہ تجویز کیا گیا کہ نماز کے بعد شیرینی تقسیم کیا کرے تاکہ نمازی بڑھیں وجہ اس کی یہی ہے کہ اس قسم کے لوگ مسجد بنانا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسجد کے کام میں روپیہ صرف ہونے میں زیادہ ثواب ہے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک شخص تیل لایا اور اُس سے پوچھا گیا کہ اُس کو طالب علموں میں صرف کردیا جائے یا مسجد میں تو وہ مسجد ہی تجویز کرتا ہے بلکہ اکثر عوام النّاس کا یہ خیال ہے کہ مسجد میں تیل جلنے سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ اسی بناء پر اگر کوئی مرجاوے اور اُس کو ثواب پہنچانا ہو تو کھانا مسجد ہی میں بھیجتے ہیں دوسری جگہ دینے کو ویسا ثواب نہیں سمجھتے اور اُس میں ایک اور قید تراشی ہے کہ وہ

طعام کے ایصال ثواب میں شیرینی کی تخصیص

رسم نمبر

کھانا بھی رات کے وقت بھیجا جاوے۔ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ دن کو تو آفتاب نکلا ہے۔ اس کی کم و بیش روشنی تو ضروری قبر میں پہونچتی ہو گی۔ برخلاف رات کے کہ اُس میں بالکل تاریکی ہوتی ہے۔ اس لیئے اُس وقت اِس طعام اور چراغ کے ذریعہ سے روشنی پہونچیگی۔ اور دن کو بھیجنا رات کے وقت نافع ہونے کی توقع پر شاید اس لیئے پسند نہیں کرتے ہونگے کہ خدا جانے وہاں کا انتظام کافی ہوگا یا نہیں تو ایسے وقت پہونچاؤ کہ فوراً ہی پہونچے ایسا نہ ہو کہ کارکنان قضا و قدر کہیں رکھکر بھول جائیں اور مردہ ساری رات تاریکی میں رہے۔ اِسی کے قریب قریب گڑ دینے کی رسم ہے یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ سکرات موت کی تلخی اِس سے دُور ہو گی۔ صاحبو گڑ تو وہاں پہونچتا نہیں اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ میٹھی چیز کا ثواب بھی میٹھا ہوتا ہے۔ غرض اس قسم کی بہت سی خرافات لوگون میں ہیں اور اُن سب کے لیئے مسجد ہی کو تجویز کیا ہے کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجد میں بھیجنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے اور مسجد میں بھی زیادہ تر ثواب خاص منبر پر رکھنے سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بھی اُس وقت کہ جب اُس پر نیاز بھی دی جائے ورنہ اُن کے خیال میں اتنا مال ضائع ہی گیا۔ کانپور میں ایک مرتبہ چند عورتیں کچھ مٹھائی لیکر عشا کے بعد جامع مسجد میں آئیں وہاں ہی مدرسہ کے طلبا رہتے تھے میں اُس وقت مکان پر جا چکا تھا صرف طلبہ مسجد میں موجود تھے طالبعلمو نکا فرقہ آزاد ہوتا ہی ہے وہ اُن سے مٹھائی لے کر نیاز دیئے بغیر ہی سب کھا گئے۔ اسپر اُن عورتوں نے بے حد شور و غل کیا ان کی آواز سُن کر اُن کے گھر کے مرد بھی جمع ہو گئے۔ یہ ہنگامہ دیکھکر ایک طالب علم میرے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ مسجد میں اس قسم کا ہنگامہ برپا ہے اور یہ اُس کی وجہ ہے۔ میں نے مسجد میں آکر دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ آخر میں نے اُس وقت باقتضائے مصلحت طالب علمون کو بُرا بھلا کہا ایک آدھ کو مارا بھی اور مٹھائی کی قیمت پوچھکر طالبعلمون سے سب قیمت دلوائی اور عورتون کو سمجھا دیا کہ یہان نہ لایا کرو قیمت دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف ڈھائی آنہ کی مٹھائی تھی حالانکہ

یہ مقدار کوئی ایسی مقدار نہ تھی جس پر اس قدر ہنگامہ کی نوبت آتی نیز وہ انہی طالبعلموں کے لئے لائی گئی تھی لیکن محض اس وجہ سے کہ نیاز نہ ہونے کی وجہ سے اُن عورتوں کے خیال میں ثواب نہیں پہونچا تھا۔یہاں تک نوبت پہونچی۔حالانکہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر دس دفعہ بھی نیاز دے دی جاوے لیکن کسی کو کھلایا یا دیا نجاوے تو کچھ بھی ثواب نہیں پہونچتا اور اگر ایک دفعہ بھی نیاز نہ دی جاوے اور کسی مستحق کو دیدیا جاوے تو ثواب پہونچ جاتا ہے۔ایک ظریف درویش نے بیان کیا کہ ایک مقام پر فاتحہ تھی ہم کو بھی بُلایا گیا۔کھانا چُنا گیا تو فاتحہ شروع ہوئی فاتحہ خوان نے حضرت آدم علیہ السلام سے نام گنوانے شروع کئے۔جب بہت دیر ہو گئی تو میں نے کہا کہ صاحب ساری دُنیا کے نام تو شمار کئے جاتے ہیں مگر ہمارا نام بھی تو لے لو کیونکہ جب تک ہم نہ کھاویں گے ان میں سے ایک کو بھی ثواب نہ پہونچے گا۔اس پر وہ لوگ خفا تو بہت ہوئے کہ یہ وہابی ہیں لیکن فاتحہ کا سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔غرض عام طور سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بدون نیاز کے ثواب نہیں ہوتا۔نیز اس میں قوانین بھی ایجاد کئے ہیں۔چنانچہ مجھ سے ایک شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ گیارھویں اٹھارہ تاریخ تک جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں گویا یہ نماز کا وقت ہے کہ فلاں گھنٹے تک رہیگا۔اس کے بعد نہ رہے گا۔صاحبو یہ عقائد روکنے کے قابل ہیں یا نہیں۔اگر کوئی کہے کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے تو سمجھو کہ لوگ تمکو دیکھکر یہ عقیدہ پیدا کر لیں گے۔صاحبو عوام النّاس اس قدر حد سے نکل گئے ہیں کہ شریعت سے بہت دور جا پڑے۔غضب ہے کہ بعض مقامات میں خدائی رات منائی جاتی ہے اور صبح کو اللہ تعالےٰ کی سلامتی کے گیت گاتے ہوئے مسجد میں آتے ہیں اور آکر جُھک کر سلام کرتے ہیں۔غرض مسجدوں کی بابت یوں سمجھتے ہیں کہ گویا نعوذ باللہ خدا تعالےٰ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔سو بعض نے اموال کا مصرف مسجد ہی کو قرار دیا ہے بعض لوگوں نے انجمنوں یا مدارس کو لیا۔خواہ وہ مدارس دینی ہوں یا دُنیوی لیکن اُن میں جنہوں نے مدارس دنیوی کو لیا وہ تو کبھی اُکھڑ کر بھی مسجد کی طرف نہیں گرتے۔بس

بعض مدارس چندہ کی تحصیل میں بے شرعی کا ارتکاب کیا جاتا ہے

اُنھوں نے مدرسہ سنبھالکر مسجد کو چھوڑ دیا۔ اُن کا کام صرف یہ ہے کہ قوم سے جس طرح ہو چندہ جمع کیا جاوے خواہ وہ شریعت کے موافق ہو یا شریعت کے مخالف ہو یعنی یہ لوگ دباؤ ڈالکر چندہ وصول کرتے ہیں جو کہ شریعت سے بالکل ہی حرام ہے اور غضب کرتے ہیں کہ اگر کوئی غریب آدمی کچھ دیدے تو ان کی نمائشی قدر اس طرح کیجاتی ہے کہ اُس کو نیلام کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ اُس کی قدر کیگئی کہ یہ غریب کا عطیہ ہے حالانکہ مقصود محض اس بہانہ سے بڑی رقم وصول کرنا ہوتا ہے۔ صاحبو اِن لوگوں سے غریبوں کی کیا قدر ہوگی غریبوں کی قدر وہ کرے گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرے۔ حضرت مولانا گنگوہی ایک مرتبہ بیمار ہو گئے جب تندرست ہوئے۔ تو صاحبزادے نے شکریہ میں بہت لوگوں کی دعوت کی۔ مولانا نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھاچکیں تو اُن کے سامنے کا بچا ہوا کھانا جو کہ سقوں کو دیا جاتا ہے وہ سب میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤنگا اور خیال نکرنا کہ اُن کا بدن صاف نہیں اُنکے کپڑے صاف نہیں اور اُسکو تبرک اسلئے قرار دیا کہ اوّل تو وہ لوگ مومن ہیں دوسرے اُنکی یہ شان ہے کہ حدیث قدسی میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں انا عند المنکسرۃ قلوبھم۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے یا عائشۃ قربی المساکین۔ چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اُسکو نہایت رغبت سے کھایا۔ تو کیا کسی نے اس قسم کی قدر غریبوں کی کرکے دکھائی ہے مگر اسوقت قدردانی کی بھی نئی نئی فریب آمیز صورتیں ایجاد ہو رہی ہیں حتیٰ کہ اُس ایک جوتی کو سینکڑوں روپیوں سے فروخت کیا جاتا ہے حالانکہ اُس میں علاوہ تلبیس کے ربوا بھی لازم آجاتا ہے کیونکہ اسصورت میں تفاضل ہوجاتا ہے اور تفاضل ایک جنس میں ربوا ہے اور اگر ربوا کا کوئی علاج بھی کرلیں تو تلبیس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ ایک مقام پر ایسا ہوا کہ ایک جوتی فروخت ہونے لگی۔ ایک غریب آدمی نے جو سبق پڑھایا ہوا تھا۔ اُسپر ایک ہزار روپیہ لگا دیا اور بیچنے والوں نے اُسی کے نام پر نیلام کو ختم کر دیا۔ جب اُسکو یہ معلوم ہوا کہ جوتی میرے نام پر ختم ہو گئی ہے تو رونے لگا لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی کہنے لگا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے دینے کو صرف اِسلئے ایکہزار کہدیا تھا کہ لوگ سُن کر اُس سے آگے بڑھیں گے۔ انجمن

غریبوں کی قدر کرنے کے عنوان سے جو تجاوز ہو رہے ہیں بعض علما بھی جلس میں

والون کا فایدہ ہو جائیگا۔ آخر ایک صاحب اُٹھے اور فرمایا کہ قوم میں کوئی ایسا نہیں
کہ اس عالی ہمت غریب کا قرضہ اپنے ذمہ لے۔ غرض اُس غریب کے واسطے پھر
چندہ کیا گیا اور اس طرح پر ایک ہزار کی تعداد پوری کی گئی۔ قابل غور ہے کہ یہ کارروائی
صدق سے کس درجہ بعید ہے اور صاحبو صدق ہی وہ چیز ہے جو کہ آج مسلمانون سے
بالکل مفقود ہے کہ اب ان کی ہر بات میں ایک پہلو ہوتا ہے ہان مخلصین میں اب
بھی بحمداللہ یہ صدق باقی ہے۔ غرض یہ حالت چندہ کی ہوتی ہے۔ اور اُس
مذاق والون کی یہ حالت ہے کہ گویا یہ کام کر لیا تو دین پر پورا عمل کر لیا نہ ان کو پھر
نماز کی ضرورت ہے نہ روزہ کی اور اگر نماز پڑھتے بھی ہیں تو گھرون میں گویا مسجد میں
آنے کی ان کے لئے بالکل معافی ہے۔ ایک رئیس صاحب کہنے لگے کہ مسجد میں کس طرح
جاوین وہان نہ چٹائی ٹھیک ہے نہ وہان فرش تکیے کا انتظام ہے جگہ جگہ کائی
جم رہی ہے۔ گھر پر ہر طرح کی آسایش ہے میں نے کہا کہ ذرا سنبھلکر شکایت کرو یہ تم
کس کی شکایت کرتے ہو۔ غریبون کی یا خدائیتعالےٰ کی۔ سو غریبون کی شکایت تو اس
لئے نہیں ہو سکتی کہ اُن کے پاس اتنی وسعت ہی نہیں کہ وہ سب سامان کر سکین خداء
تعالےٰ کی شکایت اس لئے نہیں ہو سکتی کہ یہ خدائیتعالیٰ کا اوّل تو کام نہیں تمہارا کام
ہے۔ دوسرے خدائیتعالیٰ کیا فرشتون سے یہ کام لیں۔ یہ بھی خدا کا کرنا ہے کہ تمکو حکم کیا
خدمتِ مساجد کا اور اُس کے لئے وسعت مالی دے۔ پس یہ معلوم ہوا کہ تمہاری ہی کوتاہی
ہے اس لئے تم اپنی ہی شکایت کر رہے ہو اگر تم مسجد میں جاتے تو تمکو اسکی حس ہوتی اور خیال پیدا ہوتا
اور لطف یہ کہ بعضے لوگ مسجد کی مدد تو کیا کرتے اور اُلٹا مسجد کی چیزین اپنی ملک کے طور پر سمجھتے ہین اور منگا منگا
کر اپنے اپنے کامون میں لاتے ہیں اور اگر کوئی روکے تو اس غریب پر خفگی ہوتی ہے کہ مسجد کیا تمہاری ملک
ہے نہیں صاحب مسجد تمہاری ملک ہی کہ اسکی چیزین تم خوب استعمال کرو کبھی مسجد میں کچھ دینے کی بھی تمکو توفیق ہوئی
ہے ایسے لوگون کی حالت بعینہ اُس قصائی کی سی ہے کہ اُسکا ایک رشتہ دار قصائی مر گیا تھا اُس کی
بیوی یہ کہکر روتی تھی کہ ہائے تیری چھریان کون لیگا تیرے مویشی کون لیگا ایک شخص ہر بات کے جواب
میں بولتا تھا کہ میں لونگا میں آپہیں وہ عورت نوحہ میں بولی کہ تیرا قرضہ کون دیگا تو وہ خاموش ہو کہتے ہیں بولو بھائی کس کی باری ہے

تو یہی حالت ہماری مساجد کے ساتھ ہے کہ خدمت کا بار تو دوسروں پر اور چیزیں برتنے
والے پر حتیٰ کہ بعض لوگ تو تختے بھی لے جاتے ہیں اور یہ تو دینداروں میں بھی مرض ہے
کہ مسجد کا گرم پانی گھر منگا لیتے ہیں۔ غرض میں نے اُن سے کہا کہ مسجد کی یہ حالت تو تمہاری
ہی بدولت ہے کہنے لگے کہ مولوی تو مسجد میں فرشی پنکھا لگانے سے منع کرتے ہیں۔
میں نے کہا کہ میں اجازت دیتا ہوں تم لگا لو کہنے لگے کہ لوگ شور و غل کریں گے اور
مجھ پر اعتراض کرینگے میں نے کہا کہ انشاء اللہ چار دن میں جب نماز کی برکت سے قلب پر
عبدیت کا اثر ہو گا تم خود ہی اس مخدومیت کو چھوڑ دو گے کسی مولوی کو منع کرنیکی ضرورت
ہی نہ ہوگی حاصل یہ کہ اسی قسم کے لوگ دین صرف اس کو ہی کہتے ہیں کہ کچھ روپیہ خیرات کر دیا
جاوے اور بعضے وہ ان سب سے نرالے وہ لوگ ہیں کہ وہ نہ اعمال بدنیہ کریں نہ مالیہ اگر
اُن کے پاس کچھ سرمایہ ہوا تو اُس کو بنک میں جمع کر دیا ان لوگوں کو منع کیا جاتا ہے تو
منع کرنیوالوں کو یہ لوگ تاریک خیال بتاتے ہیں ایک شخص نے اسی قسم کے ایک صاحب سے
کہا کہ ہم نے سنا ہے تم سود لیتے ہو تو وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ تم میری ذاتیات پر حملہ
کرتے ہو۔ سبحان اللہ امر بالمعروف ذات پر حملہ کرنا ہو گیا آخر جب انہوں نے سمجھایا
تو کہنے لگے کہ بھائی یہ وقت جائز ناجائز کی تحقیق کا نہیں ہے اس وقت تو جس طرح ہو سکے
روپیہ کمانا چاہیے یہ مذکورہ بالا تو ان لوگوں کی حالت تھی جو کہ دنیا کے مدارس قایم کرتے
ہیں اور جو دین کے مدارس کے حامی ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب ہم نے وعظ
یا خطاب خاص سے دوسروں کو ترغیب دی تو ہم کو خود روپیہ دینے کی کیا ضرورت ہے
الدال علی الخیر کفاعلہ کا ہی ثواب بہت ہے۔ الحاصل ہر ایک فرقہ نے اپنے خیال
کے موافق دین کا ایک خلاصہ نکال رکھا ہے تو صاحبو یہ کتنی بڑی کوتاہی ہے مگر میں
اس وقت ان مذکورہ اقسام میں سے بضرورت مقام اُس کوتاہی کو بالخصوص بیان کرتا ہوں
جو کہ غالب ہے۔ وہ یہ کہ مال کے خرچ کرنے کو مشکل سمجھتے ہیں جہاں معلوم ہوا کہ اب
چار پیسے خرچ کرنے پڑینگے انہوں نے فوراً اپنی جان بچا کر اس موقع سے بھاگنے کی
کوشش کی ممکن ہے کہ اس خاص کوتاہی کے بیان کرنے سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ گیا

بینک میں روپیہ جمع کرنا

کوتاہی متعلق انفاق

چندہ کیلئے وعظ کہنا مستحسن امر ہے اعتراض نہیں ہے

محض چندہ مانگنے کے واسطے یہ وعظ کہا جاتا ہے تم تو تحریک چندہ کو پسند نہیں کرتے
تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ بیشک اس وقت ترغیب چندہ ہی کیلئے وعظ کہنا
زیادہ مقصود ہے اور میں مطلق ترغیب کو ناپسند نہیں کرتا۔ ترغیب تو خدا تعالیٰ کے
کلام مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے البتہ اس کو ایک خاص حد تک کلام مجید میں رکھا گیا ہے
یعنی اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک بذل نفس دوسری بذل مال تو جو نسبت اس کو کلام مجید
میں ہے اگر وہی نسبت کسی شخص کے وعظ میں بھی ہو تو اس کا کیا مضایقہ ہے اور اس
نسبت کے محفوظ رہنے کا یہ طریقہ ہے کہ یا تو ایک ہی وعظ میں دونوں مضمونوں کو
بیان کر دیا جاوے اور یا کسی ایک وعظ میں بذل نفس کے متعلق بیان کر دیا جاوے
چنانچہ اس وعظ سے زیادہ مقصود ترغیب ہے انفاق فی سبیل اللہ کے اور اگرچہ اکثر
واعظین کی یہ عادت ہے کہ جب چندہ کی ترغیب دیتے ہیں تو شروع سے ترغیب کا مضمون
بیان نہیں کرتے بلکہ اس کو موجب وحشت عامہ سمجھکر ملوں کرتے ہیں کہ بیان شروع دوسرے
مضمون سے کرتے ہیں اور اس کو کسی جگہ جوڑ لگا کر اُسی وعظ میں شامل کر دیتے ہیں اور
میں اس طرز کا مخالف تو نہیں ہوں کیونکہ اسمیں بھی مصلحت ہے مگر اس میں اتنا ضرور ہے
کہ ایسے شخص کے ہر وعظ میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید اب چندہ کا ذکر چھیڑا جاوے
اس لئے میں نے شروع ہی سے اس مضمون کو لیا اور پھر کہے دیتا ہوں کہ اس وقت
محض چندہ کا بیان ہوگا جس کا جی چاہے سنے اور جس کا جی چاہے چلا جاوے جو سنیگا
اپنے نفع کیلئے سنیگا۔ ہمارا اُس میں کوئی نفع نہیں اور نفع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس
وقت سننے والوں کو کوئی گٹھڑی انعام میں ملجاویگی مگر قرآن میں صاف ارشاد ہے
ما تنفقوا من خیر فلانفسکم و ما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ و ما تنفقوا من
خیر یوف الیکم و انتم لا تظلمون ۔ ان آیتوں میں غور کیجئے کہ کیا ارشاد ہوتا ہے
پس یہ شبہ کہ ہم نے تمہاری ہی زبان سے متعدد مرتبہ چندہ مانگنے کی ممانعت سنی ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً ممانعت ہی سمجھ جانا یہ ناتمام مضمون سننے سے ناشی
ہوا ہے آیات بالا سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ مضمون بھی دین کا ایک جزو ہے۔ البتہ چندہ

چندہ کی بعض صورتیں محمود اور بعض مذموم ہیں

ہدیہ میں بے احتیاطی

چندہ مانگنے کی متعدد صورتیں ہیں اُن میں سے جو صورت شریعت پر منطبق نہ ہو گی وہ بیشک مذموم ہو گی باقی مذموم نہ ہو گی اور یہ قاعدہ کچھ چندہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نماز روزہ میں بھی یہی قاعدہ ہے مثلاً جو نماز شریعت پر منطبق ہو گی وہ محمود ہو گی ورنہ مذموم مثلاً اگر کوئی شخص بے وضو نماز پڑھنے لگے یا قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے لگے تو وہ نماز ناجائز اور مذموم نماز ہو گی اسی طرح یہی قاعدہ طاعات مالیہ میں بھی ہے کہ چندہ دینے کے جواز کے لئے کچھ شرائط ہیں اگر وہ پائی جائیں گی تو جائز ہو گا ورنہ ناجائز۔ پھر وہ کچھ چندہ ہی کی ساتھ خاص نہیں بلکہ ہدیہ وغیرہ میں بھی وہی شرائط ہیں اس وقت اکثر کمی یہ ہے کہ اُن شرائط کا لحاظ نہیں کرتے اور یہ کمی زیادہ تر لینے والوں میں ہے دینے والے تو چونکہ حتی الامکان دیتے ہی کم ہیں اس لئے وہ اکثر ان خرابیوں سے بھی بچے ہوئے ہیں البتہ لینے والے بہت زیادہ مبتلا ہیں اور یہ کوتاہی دو جگہ ظاہر ہوتی ہے کیونکہ معاملہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو کہ بالعوض ہو دوسرے وہ جو کہ بلا عوض ہو پہلی قسم میں بھی اگرچہ خرابیاں آجکل بہت ہیں مگر پھر بھی اُس میں ایک حد تک جواز کی صورتیں بھی بکثرت معمول بہا ہیں لیکن بلا عوض میں تو بہت ہی بے احتیاطی کی جاتی ہے اور بلا عوض کی صورت دو ہیں ہدیہ یا چندہ۔ ان دونوں میں سراسر بے احتیاطیاں ہو رہی ہیں چنانچہ ہدیہ میں ایک تو یہ بے احتیاطی کر رکھی ہے کہ کبھی کسی کا ہدیہ واپس ہی نہیں کیا جاتا جو شخص بھی ہدیہ پیش کرے اس کو فوراً قبول کر لیا جاتا ہے بلکہ اگر کوئی شخص واپس کر دیتا ہو تو اس کو بُرا کہتے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں صاحبو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ ہر ایک ہدیہ لینا بھی ناپسندیدہ ہے ارشاد ہے۔ ما اتاک من غیر اشراف نفس فخذہ وما لا فلا تتبعہ نفسک کہ جو بلا انتظار نفس آوے اس کو لے لو اور جو نہ آوے اُس کی فکر میں نہ پڑو اسی حدیث میں حضور نے ہدیہ قبول کرنے کے متعلق ایک قید بتلائی ہے اس کو ادب سے تعبیر کیا جاوے یا شرط واجب سے میں اس وقت اس سے خالی الذہن ہوں جو کچھ بھی ہو حضور نے یہ بتلا دیا

کہ اشراف نفس سے بچنا چاہئے میں نے اس سے ایک امر مستنبط کیا ہے اگر استنباط غلط ہو تو اُس کی اصلاح کر دی جائے سو میں نے اُس سے یہ قاعدہ سمجھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس آمد و رفت رکھو تو ہمیشہ ہدیہ لے جانیکے پابند نہ ہو بلکہ کبھی ہدیہ لیکر چلے جاؤ اور کبھی خالی چلے جاؤ کیونکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ پابندی کی صورت میں جب اس شخص کی صورت نظر پڑیگی تو طبعاً ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ خدا جانے کچھ لایا ہے یا نہیں یہی اشراف ہے تو اس کا علاج یا تو یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اس میں اشراف ہی نہ ہو یا یہ ہے کہ پابندی سے منع کر دیا جاوے چنانچہ میں نے اپنے لئے یہی تجویز کیا بلکہ نہ لانا اکثر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

دوسری حدیث میں ہے تہادوا تحابوا تو ہدیہ دینے کی مصلحت حضور نے ازدیاد محبت کو قرار دیا ہے اور ازدیاد محبت اُس وقت ہوتا ہے کہ جب ہدیہ لیکر جی خوش ہو اور جی اُس وقت خوش ہوتا ہے کہ جب اشراف نفس نہ ہو ورنہ مسرت نہیں ہوتی۔ بلکہ انتظار کی جو کلفت تھی وہ رفع ہو گئی تو اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہدیہ میں اشراف کی نوبت نہ آنی چاہئے دوسرے اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بیعت کے وقت ہدیہ نہ لینا چاہئے کیونکہ اس کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے کہ بھائی آج کل کے پیروں کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی دیہاتی ان کے سامنے سر کھجلانے لگے تو پیر صاحب کو خیال ہوتا ہے کہ شاید پگڑی میں سے روپیہ نکال کر دیگا واقعی بالکل سچ ہے حرص و طمع نے ہماری وہ حالت بنا دی کہ جیسے ایک مرید نے اپنے مرشد سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میری انگلیاں نجاست میں بھر رہی ہیں اور آپ کی انگلیوں پر شہد لگا ہے۔ پیر صاحب سنکر کہنے لگے کہ اسکی تعبیر تو ظاہر ہے تو دنیا کا کتا ہے ہم لوگ اللہ والے ہیں مرید نے کہا کہ حضور ابھی خواب پورا نہیں ہوا میں نے اُسی میں یہ بھی دیکھا کہ آپ کی انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں اسپر پیر صاحب بہت خفا ہوئے غرض یہ خواب صحیح ہو یا غلط لیکن اس خواب سے مرید نے جس حالت کا

فوٹو کھینچا ہے وہ بالکل مطابق واقع ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مرید تو پیر سے دین حاصل کرنیکے لئے تعلق رکھتا ہے اور پیر مرید سے دنیا ر مردار سمیٹنے کی فکر میں ہے۔ اسی قسم کے ایک پیر کے کوئی مرید تھے اُن سے کسی نے پوچھا کہ میاں تم کو پیر سے کچھ فائدہ بھی ہوا یا نہیں مرید نے کہا کہ میاں جب سقاوہ ہی میں کچھ نہ ہو تو لوٹے میں کہا سے آوے۔ مجھے اس موقع پر ایک حکایت یاد آئی بلگرام میں ایک بزرگ تھے انکے پاس ایک شخص پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے حسب معمول ایک روز وہ پڑھنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ استاد صاحب کے چہرہ پر ضعف کے آثار نمودار ہیں دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج شیخ کے ہاں کھانیکو کچھ نہیں ہے یہ دیکھ کر پڑھنے سے عذر کر دیا اور گھر واپس گئے اور وہاں سے کھانا پکوا کر لائے جب کھانا پیش کیا تو شیخ نے کہا کہ کھانا تو عین حاجت کے وقت آیا ہے لیکن اس کے لینے سے ایک عذر شرعی مانع ہے وہ یہ کہ جب تم واپس گئے تو مجھے اُسی وقت خیال آیا کہ تم میرے لئے کھانا لینے کو جاتے ہو تو یہ کھانا اشراف نفس کے بعد آیا ہے اور اس کا لینا حدیث کے خلاف ہے۔ وہ مرید بھی کیسے مودب تھے کہ اصرار نہیں کیا اور سینی لیکر فوراً اٹھکر چلدئے اور تھوڑی دور پہنچکر پھر لوٹے اور آکر عرض کیا کہ حضرت اب تو اشراف نفس نہیں رہا ہوگا کیونکہ میرے واپس لیجانے کی بعد آپ کو یقین ہو گیا ہوگا کہ اب وہ کھانا گیا لہذا اب تو اس کو قبول فرما لیجئے چنانچہ آپنے قبول فرما لیا سبحان اللہ جب دل میں محبت ہوتی ہے خدمت کا طریقہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے بقول شخصے "شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست" برخلاف آج کل کے کہ اگر کوئی شیخ انکار کر دے تو مرید پھر بھی اُس کو پریشان کرتا ہے اور ایک ادب ہدیہ کا یہ ہے کہ دنیاوی حاجت کی آمیزش اُس میں نہ ہو بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اگر ہدیہ دیتے ہیں اور پھر تعویذ لکھدینے کی فرمایش کرتے ہیں ایسے ہدیہ کو فوراً واپس کر دینا چاہیے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ایک اونٹ دیا آپنے اسکی عوض میں کئی اونٹ اسکو دئے مگر وہ شخص راضی نہوا اُس پر حضور کو سخت رنج ہوا اور آپنے خطبہ فرمایا اور فرمایا کہ فلاں فلاں خاندان کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لونگا۔ وجہ اسکی یہی تھی کہ اُس شخص نے دنیوی غرض سے ہدیہ

مصافحہ میں ہدیہ دینا مناسب نہیں ہے

دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اول ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہیے کیونکہ اول ملاقات میں یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے اسی لئے میں نے اپنا یہ معمول مقرر کرلیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اُس سے میں ہدیہ نہیں لیتا البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہوجاوے تو مضایقہ نہیں رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لیجانیکی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جاویگا تو وہاں سے بھی خالی ہاتھ آویگا چنانچہ اس کی نسبت مثل بھی مشہور ہے کہ خالی جاوے خالی آوے اس لئے ضروری ہے کہ جاتے ہی پیرجی کی مٹھی گرم کردو اور اس مٹھی گرم کرنے کی محاورہ کی ایک اصل ہے وہ یہ کہ پیرزادوں نے اپنا راز چھپانیکے لئے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ مصافحہ میں ہدیہ دیا کریں تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے صاحبو اول تو مصافحہ ایک مستقل عبادت ہے اسی میں دنیا کے انضمام کے کیا معنی دوسرے اس کی کیا خبر ہے کہ اس شخص کے بعد کوئی دوسرا شخص مصافحہ نہ کریگا تو اگر کسی دوسرے نے بھی مصافحہ کرلیا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پیر صاحب کو یہ ہدیہ دیا گیا ہے پھر اخفا کہاں رہا اور اگر دوسروں کو مصافحہ سے رد کا جائے پھر تو خواہی نخواہی دال میں کالے کا شبہ ہوگا کیونکہ بعضی احتیاط سبب بے احتیاطی کا بن جاتی ہے چنانچہ مشہور ہے کہ ایک شخص کا نکاح ہونیوالا تھا تو اُس نے کسی دوسرے سے ایک دوشالہ مستعار لے لیا جب بارات گئی تو لوگ دولہا کو دیکھنے کیلئے آئے ایک شخص نے پوچھا کہ دولہا کون ہے تو صاحب دوشالہ دولہا کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں لیکن دوشالہ میرا ہے دولہا نے کہا کہ یار تم بھی عجیب آدمی ہو اسے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی کہنے لگے کہ اب ایسا نہ کرونگا تھوڑی دیر میں اور کسی نے آکر پوچھا تو آپ فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ میرا نہیں اسپر دولہا اور بھی جھلایا کہ بندہ خدا تم کو اس کے ذکر ہی کی کیا ضرورت پڑی تھی کہنے لگا کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا کچھ دیر میں ایک اور صاحب نے آکر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ کا کچھ ذکر نہیں آخر دولہا نے غصہ میں آکر دوشالہ اُن کے اوپر پھینک دیا تو جیسے اُس شخص کا یہ کہنا

کہ دوشالہ میرا نہیں یا دوشالہ کا ذکر ہی نہیں بظاہر احتیاط تھی مگر باعتبار اثر کے پوری بے احتیاطی تھی اسی طرح دوسرے سے مصافحہ نہ کرنا بھی اظہار ہوگا۔ ہدیہ کا جب اظہار ہوگیا تو پھر اخفا کہاں رہا۔ نیز جب دوسروں کے بھی مصافحہ کا احتمال ہے تو مرید صاحب کو یہ ڈر بھی تو ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص پیر کے ہاتھ سے لیکر بھاگ جائے تو کیا کریں گے کیونکہ جب اخفا کرکے لیا دیا گیا ہے تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ تھا اور اگر کہئے کہ ہم دوسرے کے مصافحہ کرنے سے پہلے جیب میں رکھ لیں گے تو میں کہونگا کہ مصافحہ میں لینے کی مصلحت تو فوت ہو گئی کیونکہ جب جیب میں رکھا گیا تو بھانڈا تو پھوٹ گیا اور اگر میری یہ رائے غلط ہے تو اس کی غلطی ظاہر کردی جائے۔ غرض بعض لوگ یہ تعلیم کرتے ہیں کہ جب پیر کے پاس جاؤ تو کچھ لیکر ضرور جاؤ ورنہ جو خالی جاوے وہ خالی آوے یہ کلمہ تو ٹھیک ہے مگر اس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا مطلب اس کا یہ ہے کہ جو خلوص سے خالی جاویگا وہ خالی آویگا اگرچہ پیر کو روپیہ بھی کیوں نہ دیا ہو۔ غرض خلوص نہ ہونیسے تو فیض سے بھی خالی رہا۔ اور روپیہ دیکر اس سے بھی خالی ہوگیا۔

ایک اور بات بھی ہدیہ کے متعلق کہنی ضروری ہے کہ بعض اوقات جو چیز ہدیہ میں دی جاتی ہے وہ مقدار میں اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ کہ اس کا لینا گراں معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے ۱۰۰ روپیہ لاکر پیش کئے تو بعض دفعہ کسی وجہ سے ان کے لینے سے طبیعت پر گرانی ہوتی ہے۔ اس کے متعلق میں مدت سے سوچا کرتا تھا کہ اگر ہم واپس کرنا چاہیں تو کسی شرعی قاعدہ کے تحت میں اس واپسی کو داخل کریں مگر الحمد للہ یہ بھی حدیث سے سمجھ میں آگیا حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے لا یرد الطیب فانہ خفیف المحمل اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد نہ کرنے کی علت طیب کے خفیف المحمل ہونے کو قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ علت نہ پائی جاوے بلکہ اس کے برخلاف طبیعت پر گرانی اور

ہدیہ کے متعلق ایک اور ادب

ہدیہ کی مقدار تخمینی

بار گزرے تو ایسی چیز کا واپس کر دینا جائز ہو گا میں نے اس کا ایک تخمینی معیار مقرر کر لیا ہے وہ یہ کہ کسی شخص سے اُس کی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ لیا جاوے اور جب ایک دن کی آمدنی کی برابر ایک مرتبہ لے لیا تو پھر دوسرا ہدیہ ایک مہینہ گذرنے سے پہلے نہ لیا جاوے گویا اگر کسی شخص کی تنخواہ ۳۰ ماہوار ہے تو اس سے مہینہ بھر میں صرف ایک روپیہ ہدیہ میں لینا مضایقہ نہیں اور اگر کوئی کہے کہ جب ایک شخص جوش طبیعت سے اس سے زیادہ دینا چاہتا ہے تو انکار کی کیا ضرورت تو سمجھو کہ جس جوش میں مصالح کی رعایت نہ ہو وہ جوش نہیں بلکہ جنون ہے جس کی اصلاح کرنی واجب ہے اور اسی موقع پر ایک اور امر کو بھی جو کہ ہدیہ صدقہ وغیرہ سب میں مشترک ہے سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ ہدیہ صدقہ چندہ قرض غرض جو طریقہ داد و ستد کا ہو حرام مال میں نہ ہونا چاہیئے اگر کوئی حرام سے دینا چاہے تو صاف انکار کر دے یہ تو ضروری امور ہدیہ کے متعلق تھے۔ دوسرا امر جس میں بے احتیاطی کی جاتی ہے وہ چندہ ہے اس میں ایک تو یہ ضروری ہے کہ وسعت سے زیادہ نہ لے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے وسعت سے زیادہ نہیں لیا اُن لوگوں سے جن پر حضور کو پورا اطمینان تھا کہ ان کی قوت توکل کی کامل ہے جیسے حضرت صدیق اکبر۔ حضور نے اُن سے کل سرمایہ قبول فرما لیا ہے ایک شرط یہ ہے کہ چندہ دینے والے کی طبیعت پر گرانی نہ ہو یعنی اُن طرق سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو کیونکہ حدیث میں ہے لا یحل مال امر ء الا بطیب نفسہ۔ ایک شرط یہ ہے کہ اپنی ذلت نہ ہو کیونکہ بعض طریقے ایسے بھی چندہ لینے کے ہیں کہ اُن میں دینے والے پر بار تو نہیں ہوتا مگر لینے والا نظروں سے گر جاتا ہے۔ حدیث شریف میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے وہ اسی بنا پر ہے اور اسی وجہ سے جہاں نہ گرانی ہو نہ ذلت وہاں حاجت کے وقت طلب کرنا درست ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر مانگو تو صلحا سے مانگو ہم لوگ جو مدعی صلاح ہیں اس حدیث کو سنکر بہت متفکر ہوں گے کہ خدا خیر کرے اب سائلین کا ہجوم ہو گا اور فرمایا کہ یا بادشاہ سے مانگو

چندہ کی تحصیل کی شرائط

خلاصہ یہ ہے کہ یا تو اہل اللہ سے مانگو یا بہت بڑے امیر سے اس کا راز یہ ہے کہ سوال کی حرمت کی وجہ دو ہیں ایک ذلت دوسرے مخاطب کی گرانی طبع کا احتمال لیکن یہ علی سبیل منع الخلو ہیں علی سبیل منع الجمع نہیں اور جب علت مرتفع ہو گی معلول بھی مرتفع ہو گا تو جب بادشاہ سے مانگا تو نہ ذلت ہوئی نہ گرانی۔ گرانی تو اس لئے نہ ہو گی کہ جس کے پاس کروڑوں موجود ہیں وہ اگر دس پانچ دیدے تو اس کے خزانہ میں کیا کمی آتی ہے اور ذلت اس لئے نہیں کہ بادشاہ خود اتنا بڑا رتبہ رکھتا ہے۔ کہ یہ اُس کی نظر میں چڑھا ہی کب تھا کہ آج نظروں سے گر گیا اور بزرگوں سے مانگنے کی اجازت بھی اسی لئے ہے کہ ان سے مانگنے میں مذلت تو اس لئے نہیں ہو سکتی کہ وہ سب سے کم اپنے کو سمجھتے ہیں دوسرے ترحم اُن میں بہت ہوتا ہے ہر ایک پر انکو رحم آتا ہے وہ کسیکو کیوں ذلیل سمجھنے لگے اور گرانی اس لئے نہیں ہو گی کہ وہ ہر چیز سے بالکل آزاد ہیں اگر اُن کو نہ کرنا ہو گا وہ آزادی سے جواب دیدینگے کسی سے وہ کیوں دبینگے اس لئے گرانی اُن کے پاس بھی نہیں آتے اُن کی سادگی و آزادی کی وہ حالت ہے کہ ؎

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند　　دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد
زیر بارند درختان کہ ثمرہا دارند　　اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد۔

اور ان کی یہ حالت ہو کہ ؎ گر دو صد زنجیر آری بگسلم غیر زلف آن نگار دلبرم یعنی بجز احکام خداوندی کی قید کے اور کوئی قید بھی اُن کو مقید نہیں کر سکتی بڑی قید ننگ و ناموس کی ہوتی ہے اوس کو وہ مٹا ہی چکے جس کا طریقہ وہ ہے جو اس شعر میں مذکور ہے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما　　اے تو افلاطون و جالینوس ما
ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد　　او ز حرص و عیب کلی پاک شد

اس سے ان کی یہ حالت ہے ؎

ساقیا برخیز در دہ جام را　　خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں　　ما نمی خواہیم ننگ و نام را

غرض وہ بالکل آزاد ہیں اُن پر کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑسکتا یہ ہے وجہ کہ جس کی سبب ان دونوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا لیکن جب یہ علت معلوم ہوگئی اور یہ اجازت اسی بنا پر ہے تو اگر کہیں ان دونوں میں بھی اس کا احتمال ہو تو ان سے بھی مانگنا جائز نہ ہوگا اور یہی وجہ تھی میری ممانعت کی چندہ سے ورنہ مطلق ممانعت ہرگز مقصود نہ تھی۔ اور یہ سمجھ لیجئے کہ دین تو ہر وقت باعزت ہے لیکن ظاہر نظر میں اس کی عزت علماء کی عزت سے سمجھی جاتی ہے اگر یہ لوگ نظروں سے گر گئے تو سمجھئے کہ دین نظروں سے گر گیا اور اسوقت جو دین نظروں سے گر گیا ہے یہ ہماری ہی بدولت اور محض ہماری صورت احتیاج بنانے کی وجہ سے ہے کہ لوگ ہماری اس حالت کو دیکھکر خود دین کی تعلیم کو موجب ذلت سمجھنے لگے اور ہم کو بھی اس احتیاج نے یہ نوبت پہنچائی بقول شخصے ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج ۔۔۔ احتیاج است احتیاج است احتیاج

مگر بعض ایسے صاحب ہمت بھی ہیں کہ وہ باوجود احتیاج کے بھی ذلت گوارا نہیں کرتے ایک شاہزادہ ایرانی کسی حادثہ سے آوارہ ہو کر لکھنؤ آیا وہاں ایک رئیس مسافرانہ وارد تھے شاہزادہ نے ان کی دعوت کی دوسرے کسی موقع پر وہ حالت سفر میں پریشان ہو کر اتفاقاً ان رئیس کے گھر پہنچے ایک مریل ٹٹو پر خستہ و زار سوار تھے رئیس صاحب نے اُس کی صورت دیکھ کر براہ تاسف کہا ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج ۔۔۔ احتیاج است احتیاج است احتیاج

شہزادہ بگڑ گیا اور فی البدیہہ جواب دیا کہ ؎

شیر نر کے می شود روبہ مزاج ۔۔۔ میزند بر کفش خود صد احتیاج

اور کہا اگر تم ہم کو غربت کی وجہ سے ذلیل سمجھتے ہو اور یہ کہہ کر چل دیا تو جو لوگ مقتدا کہلاویں اُن کے لئے بڑی ضرورت اسکی ہے کہ وہ نظروں سے نہ گریں اور یہ امر حاصل ہوتا ہے استغنا سے۔ البتہ جب کبھی چندہ کی ضرورت ہو تو تحریک عام کا مضایقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے رہی تحریک خاص اُس میں اگر یہ یقین ہو کہ نہ ہیں ذلیل ہونگا اور نہ مخاطب پر گرانی ہوگی تب تو جائز ہے اور اگر ان میں سے ایک کا بھی احتمال

ہو تو ناجائز اور میں جو ہمیشہ ممانعت کیا کرتا ہوں وہ اسی تحریک خاص کی بعض صورتوں میں۔ یہ تو تحقیق ہے اسکی جو میں سمجھا ہوں رہا عمل سو عمل کرنے میں اپنی اپنی رائے ہے میں نے اپنے لئے یہ تجویز کر لیا ہے کہ تحریک عام میں تو کبھی نہ رکا جاوے اور تحریک خاص کو مع دونوں قسموں کے ترک کر دیا جاوے اس وقت میں تحریک عام کر رہا ہوں اس میں بحمد اللہ کوئی مضایقہ نہیں ہے اور نہ یہ سوال ہے بلکہ دعوت الی الدین ہے اس کے متعلق اس آیت میں کافی فیصلہ موجود ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ان یسألکموھا فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم۔ یہ تو سوال کرنے کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر خدا تعالیٰ تم سے مانگنے لگے اور مبالغہ سے مانگے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ تمہارے کینے کو ظاہر کر دے آگے فرماتے ہیں ھا انتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ دیکھئے سوال کی تو نفی کرتے ہیں اور دعوت الی الانفاق کا اثبات فرماتے ہیں اور سوال کرنے پر بخل کرنے میں زیادہ مذمت نہیں فرماتے ہیں بلکہ ایک گونہ اس میں معذور رکھتے ہیں چنانچہ فیحفکم تبخلوا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور دعوت الی الانفاق میں بخل کرنے کی مذمت فرماتے ہیں کہ من یبخل فانما یبخل عن نفسہ کہ خدا تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں ہے کیونکہ ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم کہ اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری بجائے دوسری کسی قوم کو پیدا کر دیگا جو کہ تمہاری طرح بخیل اور جان چرانے والے نہ ہوں گے اور تم سے ہر طرح افضل ہونگے۔ دیکھئے ترغیب پر بخل کرنے سے کس قدر دھمکایا ہے کہ تمہارے تان گاڑی نہیں چلتی دوسرے بھی ہزاروں خدمتگزار موجود ہیں ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی ۔۔۔ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خدا تعالیٰ ہی کا ہم پر احسان ہے کہ ہم سے یہ کام لے لیا۔ تو اس آیت میں خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ سوال اور چیز ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں احفاء ہو اور احفاء دو قسم کا ہے ایک صوری دوسرا معنوی جیسے وجاہت سے وصول کرنا کہ یہ بھی احفاء کی ایک فرد ہے

چندہ منتظر و منکر ترغیب دعوت الانفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے

چندہ منتظر و منکر ترغیب

غرض جس میں نظام قلب ہو وہ اختیار ہے اور اسپر تنخواہ کا ترتب کچھ بعید نہیں اور ایک ہی ترغیب اُس میں بخل کرنا مذموم ہے۔ میں یہ سمجھا ہوں کہ جو صورتیں غیر مشروع ہیں وہ تو سوال میں داخل ہیں اور جو مشروع ہیں وہ ترغیب ہیں غرض میں آپ لوگوں کو ترغیب دیتا ہوں اور مجھے اس ترغیب کے متعلق بہت سے مضامین مگر کہ یاد نہیں ہیں ہاں صرف یہ یاد ہے۔ کہ مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم اور اس مقام پر خدا تعالیٰ نے بہت دور تک انفاق فی سبیل اللہ کا حکم فرمایا ہے یعنی یہ ربع سیپارہ اس انفاق کی فضیلت میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ بھی بہت بڑی ضروری چیز ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری حالت یہ ہے ؎

گر جان طلبی مضائقہ نیست　　　ور زر طلبی سخن درین است

ہم لوگوں کو دین سے جو کچھ محبت ہے اس کا خلاصہ وہی ہے جو کہ مولانا نے مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص سفر میں چلا جا رہا تھا رستہ میں دیکھا کہ ایک کتا پڑا ہوا سسک رہا ہے اور ایک آدمی اُس کے پاس بیٹھا ہوا رو رہا ہے مسافر نے اس شخص سے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ یہ کتا میرا بہت بڑا رفیق تھا آج یہ مر رہا ہے میں اس کے غم میں روتا ہوں پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے کہا کہ صرف فاقہ یہ ماجرا سنکر مسافر کو اُس کی اور کُتے کی حالت پر رحم آیا قریب ہی ایک بورا بھرا ہوا رکھا تھا مسافر نے پوچھا کہ میاں اس میں کیا چیز ہے اُس شخص نے کہا کہ اس میں روٹیاں بھری رکھی ہیں مسافر نے کہا کہ ظالم کتے کے مرنے پر بیٹھا رو رہا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ اس بوری میں سے ایک روٹی نکال کر اس کو دیدے کہنے لگا کہ جناب مجھے اس قدر محبت نہیں ہے کہ اس کیلئے روٹیاں بھی خرچ کرنے لگوں۔ روٹیوں کو دام لگے ہیں اور آنسو تو مفت کے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس کا لڑکا بیمار ہوا کسی نے ختم قرآن کی رائے دی اور کسی نے خیرات کا مشورہ دیا تو اُس نے قرآن تو پڑھوایا لیکن خیرات ایک پیسہ نہیں دیا اسی طرح ہم لوگ محبت دین کے مدعی تو ہیں مگر پیسہ خرچ کرنے میں محبت سب ختم ہو جاتی ہے۔

اور میں جو اس وقت ترغیب دے رہا ہوں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم ضرور ہی دو کیونکہ دین کا کام تو انشاء اللہ تمہارے نہ دینے کی صورت میں بھی ضرور ہی چلیگا میں صرف اس لئے ترغیب دے رہا ہوں کہ یہ بھی ایک شریعت کا مسئلہ ہے جس کا پہنچانا ضروری ہے لیکن اس ترغیب کے ساتھ ہی محل صرف کا بتلانا بھی ضروری ہے مگر اسکے بتلانے سے قبل میں یہ ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے کسی کے کہنے سے نہیں کہا نہ آگے کسی کا کہا ہوا کہونگا ہاں اس کی مجھے خبر نہیں کہ کسی نے تصرف باطنی سے میرے دل میں ڈالا ہو مگر میں یقین کے ساتھ اس کی بھی نفی کرتا ہوں کیونکہ بحمد اللہ ہمارے بزرگ ایسے نہیں ہیں کہ وہ اس قسم کی تصرفات سے کام لیں بالخصوص ایسے مواقع پر کہ جہاں اُن حضرات کو خلاف مرضی ہونیکا احتمال ہو۔ ہاں خدا تعالیٰ نے دل میں ڈالا اور میں نے بیان کیا۔

تو انفاق مالی مصارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مفید انجمنیں۔ مدرسے۔ مسجدیں وغیرہ ہیں سب ضروری مگر جس وقت جو صرف زیادہ ضروری ہو وہ زیادہ قابل توجہ ہے میرے خیال میں اس مقام پر اس وقت میں مدرسہ مظاہر العلوم کے متعلق دار الطلبہ میں بڑی ضرورت ہے کمّاً بھی کیفاً بھی بلکہ مناسب ہو کہ لوگ اس کو دیکھ بھی لیں لوگوں کے دیکھ لینے میں انشاء اللہ برکت بھی ہوگی اور اس دار الطلبہ کے باب میں حدیث میں ہے ما وبنیا لابن السبیل بناہ یعنی اگرچہ وہ ابن السبیل فاسق ہو لیکن پھر بھی اُسکے لئے گھر بنانے میں ثواب ہوگا چہ جائیکہ وہ طلبہ علم ہوں جو کہ اضیاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور پھر یہ بھی نہیں کہ یونہی سکونت رکھیں بلکہ قال اللہ اور قال الرسول کا شغل رکھیں کہ اسکی برابر کوئی شغل ہی نہیں حدیث میں ہے الدنیا ملعونۃ و ما فیہا ملعون الا ذکر اللہ و ما والاہ او عالم او متعلم تو علم دین ذکر اللہ بھی ہے اور اس میں عالم و متعلم بھی جمع ہیں اور دوسرے متعلقین ما والاہ بھی غرض ذکر اللہ و ما والاہ اور عالم اور متعلم تو لعنت سے مستثنیٰ ہیں باقی سب موجب بُعد عن الرحمۃ ہیں اس سے بعض مخلصین کو اسباب دنیا کی نسبت سخت تشویش ہونا ممکن تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیسی تدبیر فرمائی گویا ایک پاکیزہ کیمیا سکھلائی کہ اس دنیائے ملعون کو اگر ما والاہ میں داخل کر دو تو وہ پھر سبب قرب ہو جاویگی

بہترین مصرف

دار الطلبہ کے فضائل

تو اس سے زیادہ کیا کیمیا جوگی کہ واسطہ لعنت کو واسطہ قرب بنا دیا جاوے اور وہ بھی ایک ذرا سی آنچ میں مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

عین آں تخییل را حکمت کند　　عین آں زہر آب را شربت کند
آں گمان انگیز را سازد یقین　　مہرہا رویاند از اسباب کین

اور لوگ مغرور نہ ہوں کہ ہم تو ان کاموں میں دیتے ہیں چنانچہ اس وقت بھی مدرسہ میں دیا ہے لہٰذا ہم پہلے ہی سے داخل ہیں سو جتنا دیا ہے وہ تو اس ترغیب سے نہیں دیا اسپر دینا تو جب سمجھا جاوے کہ جنہوں نے مدرسہ میں کچھ دیا ہے وہ اسی قدر دارالطلبہ میں اور دیں اور جنہوں نے ابتک کچھ نہیں دیا وہ بھی حسب ہمت دیں اور جو نہیں لائے وہ وعدہ کرلیں مگر اس کا خیال رہے کہ نری زبان ہی نہ ہو بلکہ پورا بھی کریں اور کوئی صاحب قلیل کثیر کا خیال نکریں یہ صدقہ جاریہ ہے جتنا ہوسکے اس کی شرکت کو غنیمت سمجھیں اور صدقہ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اسوقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی شخص ایک تبہ سبحان اللہ ہی کہکر بخشدے حتیٰ کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرتے ہیں کہتے ہیں ؎

اے کریما میروی دامن کشاں　　از سر اخلاص الحمدے بخواں

کہ اگر اور کچھ نہیں تو ایک دفعہ الحمد ہی پڑھتے جاؤ آج جس الحمد کو ہم ہزار بار خود پڑھ سکتے ہیں بعد مرگ اسکو ایک دفعہ دوسرے کی زبان سے پڑھنے کیلئے ترسیں گے تو یہ صدقہ جاریہ اسوقت کام دیگا نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کئے جاویں گے اور دیکھیگا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں اسوقت جب ورق الٹا جائیگا تو اسکو معلوم ہوگا کہ کسی جگہ بخاری کا ثواب لکھا ہوا ہے کسی جگہ مسلم شریف کا ثواب لکھا ہوا ہے کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہے علیٰ ہذا صاحبو اگر آج سے ہزار سال کے بعد قیامت آوے تو اس وقت تک اس مکان میں یا اس مکان میں تعلیم پانیوالوں کے سلسلہ میں جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی دفعہ مسلم شریف پڑھائی جاویگی برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہیگا اور قیامت کے روز اسکی غایت پریشانی کے وقت انشاء اللہ تعالیٰ کہا جاویگا کہ تم نے جو دارالطلبہ میں مثلاً مدد کی تھی آج یہ پوٹ کی

پوٹ ثواب کی اس کی بدولت تم کو مل رہی ہے اُس وقت خوش ہوگا اور زبان حال سے کہیگا ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم — بحمد اللہ زہے ارزاں خریدم

اور اسوقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپے دینے سے کیا نفع عظیم حاصل ہوا صاحبو خدا تعالےٰ کا شکر کرنا چاہیئے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض وہمی مزاجوں کو شبہ ہو کہ جب اس مکان میں یہ کام یا خود یہ مکان نہ رہیگا تو کیسے ثواب ملیگا تو اول تو اس کا گمان کرنا ہی برا ہے یاد رکھو کہ نیک کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا کرتا ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

غرض اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوتا اور بالفرض ہو بھی تو یہ قاعدہ مقرر ہے کہ انما الاعمال بالنیات تو نیت تو دینے والوں کی ہمیشہ ہی کیلئے اس کی اعانت کرنیکی ہے اور اگر اسی پر مدار ہو کہ جتنے دن تک کام ہوا اتنے ہی دن کا ثواب ملے تو جنت دائمی کا استحقاق ہی نہ رہیگا کیونکہ جب سو برس تک ہی نیکیاں نہیں کی تو سو برس سے زیادہ جنت میں کیوں رہیں حالانکہ جنت میں ابدالاباد رہنا ثابت ہے تو یہ اس نیت کی بدولت ہے کہ ہر مسلمان کی یہ نیت ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہیں گے تو اس دین پر رہینگے اسی لئے جزائے موبد ملتی ہے اسی طرح یہاں بھی نیت تابید کی ہے پس یہ وسوسہ غلط ٹھہرا تو خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اس تقسیم اور تجزیہ کا غلط ہونا ثابت فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے نفسوں اور جانوں کو دونوں کو خرید لیا ہے تو دونوں کو جمع فرمانے سے یہ بتلا دیا کہ نہ صرف بذل مال کرنے والے مغرور ہوں اور نہ صرف بذل جان کرنے والے بلکہ جب دونوں کا بذل ہوگا تو جنت کا استحقاق ہوگا۔ تو صاحبو جنت ایسی سستی نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ الا ان سلعۃ اللہ غالیۃ الا ان سلعۃ اللہ ھی الجنۃ۔ اب میں طالبعلموں کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ اس مقام پر شبہ ہوسکتا ہے کہ بذل نفس تو خاص خاص کاموں میں ہوتا ہے یعنی قتال میں جس کا آگے ذکر بھی ہے۔ یقاتلون فی سبیل اللہ۔ کہ تو بذل نفس عام کیسے ہوا تو سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے خود آگے چلکر فرما دیا ہے التائبون العابدون السائحون الراکعون الخ یہ آیت اس شبہ کو بالکل زائل کرکے بتلا رہی ہے کہ یہ سب کام بذل نفس ہی میں داخل ہیں اور اس سے بھی بڑھکر یہ دلیل ہے کہ آگے ارشاد ہوتا ہے وبشر المؤمنین یہ المؤمنین اُسی من المؤمنین سابق کا اعادہ ہے پس ان اعمال کے بعد یہ حکم دینا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مؤمنین مذکورین کو بشارت مذکورہ دیدیجئے صریح طور سے دال ہے کہ جس اشترائے انفس واموال کا اوپر ذکر تھا وہ یہ اعمال ہیں پس یہ سب بذل نفس ہوگیا اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ تمام شریعت مطہرہ بذل نفس اور بذل مال کی تفصیل ہے۔ یہ تھا میرا مقصود۔ اسوقت کے بیان سے اب میں ختم کرتا ہوں اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ حضرات میری طرف سے بھی مدد میں قبول ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ برکت دے۔ آمین یا رب العالمین +

حضرت مولینا مولوی محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی تالیفات

بہشتی زیور

یہ رسالہ حضرت مولینا ممدوح صاحب نے عورتوں کیلئے اور خصوصاً مردوں بچوں سب کے دین اور دنیا کی اصلاح کیواسطے تالیف فرمایا ہے اس رسالہ کے کل دس حصے ہیں اور ایک تتمہ مسمیٰ بہشتی گوہر ہے جس کو گیارہواں حصہ بھی کہہ سکتے ہیں

فہرست مضامین ہر حصہ کی حسب ذیل ہے

حصہ اول الف۔ با۔ تا۔ خط لکھنے کا طریقہ۔ عقاید ضروریہ مسایل وضو وغسل وغیرہ ۔ ۔ ۳/

حصہ دوم حیض و نفاس کے احکام۔ نماز پنجگانہ کے مسئلے ۳/

حصہ سوم روزہ۔ زکوٰۃ۔ قربانی۔ حج۔ منت۔ قسم لباس و پردہ کے احکام ۔ ۔ ۳/

حصہ چہارم نکاح۔ طلاق کے احکام ۔ ۳/

حصہ پنجم بیع و شرار و معاملات کے مسایل حقوق اہل حقوق کی

حصہ ششم طریق تربیت اولاد و معاشرت زوج و قواعد تجوید ۳/ اصلاح یا ابطال مروجہ ۔ ۔ ۳/

حصہ ہفتم اصلاح باطن و تہذیب اخلاق و ذکر قیامت و جنت و دوزخ و وعدہ وعید ۳/

حصہ ہشتم نیک بیبیوں کی حکایتیں و سیرت و خلق نبوی معہ نتیجہ حکایات ۳/

حصہ نہم ضروریات روزمرہ مختصر طب اپنی اور بچوں کی حفظ صحت ۳/

حصہ دہم ضروریات معاش۔ کچھ حساب بسلیقہ خانہ داری کچھ بیان ہنر و پیشہ کا بعض آسان طریقے گذر کرنے کے ضروری قواعد ڈاکخانہ ۔ ۔ ۔ ۳/

حصہ یازدہم مسایل مخصوص دوں و معالجہ امراض وغیرہ ۶/

نوٹ:۔ واضح ہو کہ بہشتی زیور بہت سے اصحاب نے بجائے ۷ جز کے ۵ جز پر باریک خط میں طبع کیے ہیں اور قیمت بھی ۳/ رکھے اسلئے فرمایش لکھتے وقت ۷ جزو کا حوالہ دیدینا چاہیے۔

تعلیم الدین ضروریات دین نصایح اشعار۔ مراقبات مکاشفات وغیرہ ۔ ۔ ۔ ۶/

اصلاح الرسوم معہ ضمیمہ جینے سے مرنے تک کی تمام رسموں شادی و غمی کی مدلل تردید ۔ ۔ ۴/

تکمیل الیقین احکام شرعیہ کی عقلی حکمتیں اور دلایل اور فلسفیانہ شبہات کے جواب ۔ ۸/

مناجات مقبول ادعیہ ماثورہ کی اردو نظم معہ ادعیہ ماثورہ ترجمہ حاشیہ ۵/ بلا حاشیہ

الاقتصاد تقلید کے متعلق منصفانہ تقریر۔ جدید طبع ۳/

جزاء الاعمال عبادت سے دنیا کی منفعتیں اور گناہ سے دنیا کے نقصان ۔ ۔ ۔ ۱/

قصد السبیل الی المولی الجلیل اسمیں سلوک و تصوف کے متعلق ایسے دستور العمل تحریر فرمائے ہیں کہ ہر شخص اس سے نفع اٹھا سکتا ہے

صفائی معاملات خرید و فروخت اجارہ وغیرہ معاملات کے مسایل ۔ ۔ ۔ ۱/

اصلاح الخیال نیچریہ خیالات کی تردید ۔ ۔ ۲/

فروع الایمان ایمان خالص کی کسوٹی ۔ ۲/

تیسیر المبتدی۔ فارسی و عربی کی صرف و نحو بچوں کیلئے مفید ۲/

خطاب الملیح۔ قادیانی کے رد میں ۱/

مجموعہ اعمال قرآنی در عملیات جدید ۔ ۔ ۴/

القول الصواب۔ پردہ مروجہ کا اثبات ۔ ۔ ۱/

حق السماع۔ راگ کے بارے میں بحث ۔ ۔ ۔ ۱/

طریقہ مولد ۔/ تجوید القرآن ۔/

القول البدیع ۲/ خاتمہ بالخیر ۱/

حقوق الاسلام ۱/

تحقیق تعلیم انگریزی ۔/

فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول و دوم ۴/ ۲/

اصلاح ترجمہ نذیریہ دہلویہ ۱/

خطبہ ماثورہ ۔ ۔ ۔ ۱/

تفسیر بیان القرآن چہار حصہ

شجرہ معہ تعلیم الطالب ۱/

علاج القحط والوبا ۔/

حفظ الایمان ۔/

کلید مثنوی دو حصہ ۲/

سلعۃ اللہ یا تجارت آخرت ۱/ ۲/

اکسیر در بحث تقدیر ۸/

شوق وطن۔ طاعون میں ٹھیرے رہنے کی فضیلت ۔ ۔ ۲/

تالیفات حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

امداد السلوک — ترجمہ رسالہ مکیہ جو تصوف کا ایک مستند رسالہ ہے جو مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی نے اوائل شباب میں ارشاد حضرت حافظ ضامن صاحب ترجمہ فرمایا تھا ۱۲؍

ہدایۃ الشیعہ — ہادی علی لکھنوی شیعی کے دس سوالوں اور ایک اشتہار کا جواب نہایت مدلل دیا ہے جو دیکھنے کے قابل ہے ۳؍

جیبی زبدۃ المناسک — ضروریات حج سب اس میں درج ہیں مع محاورات عربی مروجہ ۲؍ و ۳؍

لطائف رشیدیہ — استعارات متعلقہ آیات قرآنی معہ پردہ مروجہ شرفاء ہند ۱؍

البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ
رد بدعات تحقیق معانی سنت و بدعت و تفصیل دلائل ابطال بدعات مروجہ میں ایسی کتاب دیکھی نہ سنی جس کے قواعد کلیہ کو ہر شخص بدعت و سنت کو خود سمجھ لے ۱۲؍

سبیل الرشاد — مسائل مختلفہ اہل حدیث و حنفیہ جہر آمین و فاتحہ خلف الامام و تقلید وغیرہ کی تحقیق میں جسکو موافقین و مخالفین دونوں نے تسلیم کیا ہی جدید طبع ۱؍

کراہت جماعت ثانیہ — بتکرار جماعت کی کراہت ۱؍

رسالہ تراویح — بیس رکعت تراویح کا احادیث صحیحہ سے ثبوت اور غیر مقلدین کا رد ۱؍

رسالہ وقف — اوقاف قرآنی کا احادیث سے ثبوت ۱؍

فتوی ظہر احتیاطی — احتیاط الظہر بعد جمعہ کی تردید ۱؍

ہدایۃ المعتدی — عدم جواز قرأت خلف الامام میں بھی ایک رسالہ ہے جسکو مخالفین نے بھی پسند کیا ہے ۲؍

رسالہ جمعہ — اہلحدیث کے فتوی کا ثبوت جمعہ در قری کا جواب ۱؍

فتوی میلاد — مع دیگر علمائے معتبر کے مولد شریف کے حسن و قبح کا بیان ۱؍

تالیفات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

ضیاء القلوب ۳؍	جہاد اکبر ۱؍
غذائے روح ۳؍	ارشاد مرشد ۱؍
گلزار معرفت مع قصیدہ ۲؍	درد نامہ غمناک ۱؍
مثنوی تحفۃ العشاق ۱؍	کلیات امدادیہ ۱۱؍
فیصلہ وحدۃ الوجود ۱؍	

تالیفات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

انتصار الاسلام / **گفتگوئے مذہبی** — یہ دونوں رسالے دلائل حقانیت اسلام میں ہیں ۲؍ و ۲؍

قصائد قاسمیہ — حضرت کے قصائد اردو فارسی عربی ۲؍

فیوض قاسمیہ — حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط ۲؍

تحفہ لحمیہ ۔ انسان فطرتاً گوشت خوار ہے ۱؍

تالیفات حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدظلہم مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند

احسن القری ۔ یہ اگرچہ بحث جمعہ قری میں ہے مگر الحمد للہ بہت سے مباحث رد غیر مقلدین کیلئے کار آمد اور مفید ہیں ۱؍ ۱۲؍

جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل — جیسے کہ احسن القری رد غیر مقلدین میں کافی اور وافی اور عجیب و غریب ہے ایسے ہی رد اہل بدعت میں یہ کتاب کافی و وافی ہے ۱۲؍

مرثیہ — حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱؍

متفرقات

چہل حدیث ۱؍	تعبیر تبارک ۱؍
ہدایات الاضاحی ۱؍	مناجات احمد حسن ۱؍
ترغیب الصلوٰۃ ۲؍	رد مکائد غیر مقلدین ۱؍